

ہے اہل وفا کی ریت الگ

عظیم ریاست



ہے اہل وفا کی ریت الگ

وہ جگہ کا نام نہیں جانتا تھا نہ ہی جاننے کی کوشش کی نہ ہی دل میں کوئی تجسس تھا۔ اسکی ساری توجہ کا مرکز وہ تھی وہ جو کم از کم۔ اسکے لئے شانتی کا سہل تھی۔۔۔ سراپا محبت اسکی خاطر سارے زمانے کو ٹھکرا کر صرف اسکو سوچنے اور پوجنے والی۔۔۔ اور کون ہے جسکے نفس کو دن رات پوج کر اسے بڑی اونچی جگہ پر رکھا جاتا ہو اور اسکو برا لگے؟؟

وہ نرم ریت پر فارحہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹا ہوا تھا۔ سر پر تاحہ نگاہ نیلا آسمان تھا اور ارد گرد آسمان کا ہی عکس دیکھاتا پانی۔۔۔ فارحہ نے سفید کرتا پا جامہ پہنا ہوا تھا سر پر کھلے بالوں کے اوپر تازہ گلاب اور موتیے کے پھولوں کا کراون اسکی خوبصورتی کو چار چاند لگا رہا تھا۔۔۔

"تم نے آخر کیا منتر پڑھ کر مجھ پر پھونکا ہوا ہے؟۔۔۔ میں آفس جاتا ہوں تو جی نہیں لگتا یہی دل چاہتا ہے ہر کام کو لات مار کر یونہی تمہارے چرنوں میں پڑا رہوں۔۔۔"

اسکی بات پر فارحہ کا ہنس ہنس کر چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور آنکھوں میں پانی چمک آیا۔۔۔

"ہنس لو ہنس لو ہر دفعہ مجھے جلا کر بعد میں یونہی تماشہ دیکھتی ہو۔"

وہ جواب میں کچھ بولی نہیں ہنستے ہوئے اسکے چہرے پر جھکی ماتھے پر آئے بال اور آنکھوں پر رکھے ڈارک

گلاسز ہٹا کر براہ راست اسکی بادامی آنکھوں میں دیکھنے ہوئے کھل کر مسکرائی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر فارحہ کا چہرہ تمام کراہی طرف ابھی کیا ہی تھا کہ ٹھنڈا ٹھار پانی چہرے پر گرتے ہی وہ ہڑبڑا کر بستر سے اٹھا۔ آنکھوں کے بالکل سامنے سات سالہ مصطفیٰ بھرپور غصے سے باپ کو گھور رہا تھا۔ اس پر سے نظر ہٹا کر اپنے گرد دیکھا تو طبیعت کا بوجھ اور بھی بڑھ گیا۔۔۔ سارے کمرے میں کھلونے کپڑے برتن جوتے ہر چیز جیسے تھی ویسی کی ویسی نظر آئی۔ اور فارحہ کہیں نہیں تھی۔ اس نے اپنی آستین کے ساتھ چہرے سے پانی کے ساتھ ساتھ ایک آدھ نکل آنے والا آنسو بھی پونچھ ڈالا وہاں بستر پر گرا ہی تھا کہ مصطفیٰ نے حلق پھاڑ کر خبردار کیا۔

پاپا آپ پھر سونے لگے ہو۔!!! "ادھر وادی ہاتھ میں گری پڑی رو رہی ہیں۔۔۔"

دو سیکنڈ لگے اس انفارمیشن کو ذہن میں پر اس کرنے میں اس کے بعد وہ اٹھ کر اندھا دھند ہاتھ کی طرف بھاگا۔۔۔ خیال آنے پر اپنے پیچھے آتے مصطفیٰ کو پوچھا

"کس ہاتھ میں ہیں۔۔۔؟؟۔۔۔" مصطفیٰ نے فٹ جواب دیا۔۔۔ "باہر والے میں۔۔۔ وہاں پہنچا تو واقعی اماں کو رو تے پایا۔۔۔"

۔۔۔ "میں پیچھے آدھے گھنٹے سے یہاں پڑی اپنی جان کو رو رہی ہوں تم غیند کے اتنے برے کیوں ہو ضارب۔۔۔۔۔ میرا معصوم بچہ دس دفعہ تمہیں اٹھانے گیا تھا۔۔۔ سارا محلہ جاگ گیا ہوگا پر تم نہیں اٹھے۔۔۔۔۔"

اس نے خلاف معمول ہر بات چپ چاپ سن لی اور ان کو اپنی بانہوں میں اٹھا کر ان کے کمرے تک لاتے لاتے خود اسکے پسینے چھوٹ گئے۔۔۔ نرمی سے ان کے بیڈ پر بیٹھا کر دوپل اپنا سانس پکڑا۔۔۔

"اماں ویسے آخر سو جھی کیا آپ کو یوں صبح صبح چھلانگ لگانے کی۔۔۔ اب مجھے بتائیں کدھر چوٹ لگی ہے۔۔۔؟؟۔۔۔"

سفینہ نے بے بسی سے اپنا سر فی میں ہلاتے ہوئے بتایا

۔۔۔ "ارے میں تو اپنے بچے کا منہ دھونے گئی تھی سمجھ ہی نہیں آئی اچانک ہی گر گئی۔۔۔ دائیں ٹانگ میں بڑی تکلیف ہے ضارب کچھ کر۔۔۔"

اس نے نرمی سے پوچھا "اگر تکلیف زیادہ ہے تو ہسپتال لے چلتا ہوں؟؟"

سفینہ نے منع کرتے ہوئے کہا۔۔۔ "نہیں ہسپتال کیا جانا ہے کوئی درد کی گولیاں دے دو اور مجھے وہ آئیوڈیکس لادو ذرا مالش کروں شاید درد رک جائے۔۔۔ میں نے تو ابھی اپنے بچوں کا ناشتہ بھی نہیں بنایا وہ آفت کا پرکالا اٹھتے ہی آسمان سر پر اٹھائے گا۔۔۔۔" سفینہ کو اس وقت بھی اپنے سے زیادہ اپنے لاڈلے کی فکر ستارہ ہی تھی.....

سفینہ کی پریشانوں کے برعکس وہ غور سے انکے پیر کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔۔ پھر کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے سیدھا ہوا۔۔۔

"اماں آپکو ہسپتال لے جا رہا ہوں یہ بہت ضروری ہے ہو سکتا ہے کوئی ہڈی وغیرہ پروزن گرا ہوا ایک دفعہ ایکس کرے کروا کر تسلی کر لیتے ہیں۔۔۔ آپ کے کپڑے نکال کر دوں بدل لیں گی۔۔۔؟"

سفینہ نے بیٹے کی پریشان آنکھوں میں جھانکا۔۔۔

"مجھ سے بیٹھا نہیں جا رہا تم کپڑوں کی بات کر رہے ہو۔۔۔ اور وہ جو ابھی سویا ہوا ہے اسکا کیا کرو گے کچی نیند سے اٹھا تو اور بھی تنگ کرے گا۔۔۔ مجھے چھوڑ دو جلدی سے اسکے لئے دودھ ابال لو فرج میں رکھا ہے۔۔۔"

وہ سر ہلاتا باہر آ گیا۔۔۔

کچن میں آنا وغیرہ سب تیار پڑا تھا اماں یقیناً ناشتہ بناتے اٹھ کر مصطفیٰ کی مدد کو نکلیں تھیں جب خود کا پاؤں پھسل گیا۔۔۔ اس نے پین میں دودھ ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا۔۔۔ اور مصطفیٰ کو آواز دیکر بلاتے ہوئے واپس اپنے کمرے میں آیا۔۔۔ الماری کھول کر دھلی ہوئی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر نکال کر واش روم کا رخ کیا۔

دس منٹ بعد عجلت میں تو لیے کے ساتھ سرگڑتا برآمد ہوا۔۔۔ مصطفیٰ نے دیکھنے ہی پوچھا۔۔۔

"آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا۔۔۔؟؟ اور ہاں دادو کہہ رہی ہیں دودھ ابل گیا ہے چولہا بند کریں۔۔۔"

او تیری۔!

اس نے تو لیا وہیں پھینکا کچن کی جانب دوڑ لگائی۔۔۔ دودھ ابل کر گر چکا تھا۔۔۔ چولہا بند کر کے۔۔۔ پین پکڑ کر سنک میں رکھا۔۔۔ مصطفیٰ بھی ساتھ ساتھ تھا۔ جسے اس نے حکم دیا۔

"اوائے یار جا کر جلدی سے تیار ہو جاؤ دادو کو لیکر ہسپتال جانا ہے۔"

مصطفیٰ نے باپ کو گھورا۔۔۔ "مگر پہلے مجھے ناشتہ تو دیں۔۔۔!!"

سنگ میں پین کو ٹھنڈے پانی میں گھماتے ہوئے اس نے اک پل کو گردن موڑ کر اپنے لخت جگر کو دیکھا۔۔
"ناشتہ باہر کر لیں گے جلدی تیار ہو جاؤ۔"

مصطفیٰ کو یہ آئیڈیا بھی زیادہ پسند نہ آیا۔ اسلئے بڑا احسان کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔۔

"سکول کے لئے تیاری کروں کہ ہسپتال لے لئے۔۔؟؟ شینڈ میں رکھے فیڈرزاٹھا کر سنگ کے قریب رکھتے ہوئے مصروف سے انداز میں بولا۔

"سکول سے آج چھٹی کرلو"

وہ یہ کہتے ہوئے بھول گیا تھا کہ مخاطب کس سے تھا۔۔ مصطفیٰ نے بے یقینی سے باپ کی پشت کو گھورا۔ اور شدید صدمے کی حالت میں پوچھا۔

"کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں ایک نالائق بچہ بن جاؤں۔۔؟؟"

ضارب نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "میں ایسا کیوں چاہوں گا۔۔؟؟"

مصطفیٰ پورے غصے میں نظر آ رہا تھا۔۔۔ "تو پھر مجھے چھٹی کرنے کو کیوں بولا؟؟" کیا آپ کو نہیں پتا کہ چھٹیاں نالائق بچے کرتے ہیں!!

ضارب نے دو فیڈر بھرے اور دو گلاس میں دودھ ڈالا۔ اور چڑ کر بولا

"اویار کس پاگل نے کہا ہے کہ نالائق ہی چھٹیاں کرتے ہیں؟"

مصطفیٰ بغیر بریک کے بغیر فوراً بولا

"یہ آپ نے خود بولا تھا۔"

ضارب نے آنکھیں گھمائیں۔ "اس وقت بھی میں ہی کہہ رہا ہوں اب مزید کوئی سوال نہیں یہ دودھ کا

گلاس ختم کرو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

جواب میں اس نے باپ کو سلوٹ مارا اور لیس سر بول کر دودھ کا گلاس لیوں سے کرایک ہی گھونٹ بھرا اور برا

سامنہ بناتے ہوئے گلاس واپس میز پر ڈال دیا۔

پیکٹ سے گولیاں نکالتے ہوئے ضارب نے سوالیہ نظروں سے مصطفیٰ کی جانب دیکھا۔

"آپ نے دودھ میں چینی نہیں ڈالی ہے۔! اور میں چینی کے بغیر دودھ نہیں پیتا ہوں۔"

ضارب نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے چینی کا ڈبہ اور ایک چمچ میز پر رکھ دیا خود اماں کے لئے دودھ اور احد کے فیڈر پکڑ کر کچن سے نکل گیا۔

ابھی اماں کو دودھ کیساتھ گولیاں دی ہی تھیں کہ احد کے کمرے سے زور و شور سے اسکے رونے کی آواز پر اسکی طرف بھاگا۔

احد نو ماہ کا چٹا گورا گوبلوسا اور انتہائی موڈی بچہ تھا۔ ضارب نے اسکو اسکے کاٹ سے اٹھا کر پیار کیا۔ ساتھ ہی اسکی موٹی موٹی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شرارت سے بولا۔۔

"چل میرے شیر چڑھ گیا دن شروع کر دے اپنا دھندا"

دوسرے ہی پل کچھ گیلے پن کا احساس ہونے پر احد کو خود سے بازوؤں کی دوری پر پکڑ کر اماں کے کمرے میں لے آیا۔

"اماں جلدی سے اسکو پکڑ لیں بارود کے ڈھیر سے شدید ترین خطرے کی نو آ رہی ہے"

ناک منہ چڑھاتے ہوئے اس نے احد کو اماں کی جانب بڑھایا۔ مگر اماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہاتھ وہیں رک گئے۔ فکر مندی سے پوچھا

"زیادہ درد ہو رہا ہے۔۔۔؟؟" اماں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اماں ہمت کریں میں بس ابھی آپکو ہسپتال لے چلتا ہوں پہلے مجھے بتائیں اسکی پیپی وغیرہ کدھر رکھی ہے؟ اس نے ابھی بھی احد کو بازوؤں کی دوری پر ہی تھام رکھا تھا۔

سفینہ نے اسکے اناڑی پن کو دیکھتے ہوئے بتایا "اسکے کپڑے اور ہر چیز کاٹ کے درازوں میں رکھی ہوتی ہے۔ مگر دیکھو اسکو بھی وائپس سے صاف مت کرنا اسکی جلد پر دانے نکل آتے ہیں باتھ روم میں لیجاؤ اور اچھے سے صابن لگا کر اسکی ٹانگیں دھو کر لاؤ۔"

وہ اٹے سیدھے منہ بناتا اماں کی ہدایت پر عمل کرنے چلا گیا۔

مصطفیٰ دادی کے پاس آکر پیار سے بولا۔ "کیا بہت زیادہ درد ہو رہی ہے..؟؟"

سفینہ نے پیار سے اپنے چاندکا بوسہ لیا اور تسلی دیتے ہوئے کہا

"تم نے پوچھ لیا اب ٹھیک ہو جائے گی۔۔ جاؤ پاپا کو بھائی کے کپڑے نکال دو پتا ہے ناں دادی کدھر رکھتی ہے احد کے کپڑے؟؟"

مصطفیٰ نے زور سے سر ہلایا۔۔۔۔

"شباباش میرا شہزادہ جاؤ اب اس نالائق کی مدد کرو نہیں تو سارا کمرہ بکھیر کر آجائے گا۔"

دادی کی آخری بات سے مصطفیٰ کو پورا پورا اتفاق تھا کیونکہ تاریخ گواہ تھی کہ جب بھی کبھی ضارب سیال نے ایمر جنسیز کے دوران امور خانہ کا چارج سنبھالا ہر دفعہ مسائل بڑھے ہی کم نہ ہوئے۔۔ اسلیے اسی وقت چلا گیا۔ ضارب احد کو دھونے کے دوران اپنے کپڑے بھی پوری طرح بھگو چکا تھا۔ اور احد پورا زور گا کر اپنا باج بجا رہا تھا۔ اس نے احد کو کاٹ میں ڈال کر اسکے سامنے عاجزی سے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"او میرے باپ دومنٹ کو یہ بانسری بند کرنا کہ مجھے کچھ سمجھ تو آئے کہ کرنا کیا ہے۔"

مصطفیٰ نے ایک نیکر شرٹ نکال کر ضارب کے ہاتھ میں تھمائی۔ اس نے چونک کر پکڑی۔۔۔ "تھینک یو یار مصطفیٰ... یار تمہارا بھائی تمہارے جیسا سیانہ کیوں نہیں ہے..؟؟"

مصطفیٰ نے ہمپر پکڑاتے ہوئے ضارب کے سوال کو پرکھا اور بڑے مدبرانہ انداز میں بولا۔

"میں اپنی دادی پر گیا ہوں اسلئے سیانہ ہوں جبکہ احد آپ پر گیا ہے... یہ میری نہیں دادو کی رائے ہے.."

ضارب کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس مقام پر ہنسنا چاہیے تھا کہ نہیں۔ احد تیار ہوا یہ الگ بات کہ ہمپر الٹا لگا تھا۔ اس نے پہلے اماں کو اٹھا کر گاڑی میں بیٹھایا پھر احد کو لا کر انکی گود میں لٹا کر فیڈرمنٹ میں دیا تو اسکا باج بند ہوا مصطفیٰ باپ کے ساتھ اگلی سیٹ پر براجمان ہوا تھا۔ ہسپتال میں ڈاکٹر نے ایکسرے وغیرہ کے بعد وہی خبر سنائی جسکا دونوں ماں بیٹے کو ڈر تھا۔ دائیں ہاتھ کی سکن اندر سے پھٹ گئی جبکہ اسی طرف کی ٹانگ گھٹنے کے نیچے سے ٹوٹ گئی تھی۔ ہاتھ پر تو اسی وقت پلاسٹر چڑھا دیا گیا۔ اور ٹانگ کا آپریشن کرنے کے لئے اماں کو داخل کر لیا گیا۔ اماں مسلسل رو رہی تھیں۔ اوپر سے احد کی انکی گود میں جانے کی ضد مصطفیٰ کا بھوک لگی بھوک لگی کا آلاپ

اماں کی صحت اور ان ساری باتوں نے مل کر اسکی مت ہی ماردی تھی۔

”اماں آپ رونا تو بند کریں بچے بھی آپکو دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔“

سفینہ نے اسکی پریشان صورت دیکھی تو اور زور سے رونا شروع کر دیا ’ضارب اب کیا ہوگا!! ہمارا تو ایک دن بھی گزرا نہیں ہوتا۔ میرے بچوں کا خیال کون کرے گا۔؟؟ تم سے تو ایک دودھ تک باہر گرائے بغیر نہیں ابلا جاتا اگلے چھ ماہ تک معذور ماں اور ان معصوم بچوں کو کیا سنبھالو گے۔

اس نے احد کو گود میں لیکر دائیں بائیں بہلاتے ہوئے اماں سے زیادہ خود کو تسلی دی۔۔۔

”کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا ابھی میں ان دونوں کو کہیں سے کھانا کھلوالاؤں آپکے لئے بھی کچھ لاتا ہوں“ اس کے بعد دیکھتے ہیں۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں پھوپھو کو فون کر دوں وہ ان دونوں کو گھر پر رکھیں گی۔ اور میں یہاں آپ کے پاس رہ لوں گا۔“ سفینہ کے رکنے ہوئے آنسو پھر نکل آئے۔۔۔

”فاطمہ بچاری نے ہمارا ٹھیکہ تو نہیں لیا ہوتا۔ ہر اچھے برے وقت میں اسے ہی آواز دیتے ہیں۔۔ ایک دو دن کی بات ہو تو بچاری اپنا بال پر یوار چھوڑ کر یہاں ہماری خدمت کرے یہ تو لمبا روگ لگ گیا ہے ضارب میرے بچوں کا کیا ہوگا۔ اور آج کل تو ویسے بھی فاطمہ کی بہو کے آخری دن چل رہے ہیں مجھے نہیں لگتا وہ ایک دن کے لئے بھی گھر سے نکل سکے گی۔۔“

انہوں نے ضارب کو کچھ جتناقی نظروں سے دیکھا۔۔۔ ماں کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر اسے غصہ ہی آ گیا۔

”اماں ہر مسئلے کا فقط ایک ہی حل نہیں ہوتا۔ آپ پریشان نہ ہوں اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔۔ آرام کریں میں آتا ہوں۔۔۔۔۔ احد کو گود میں اٹھائے مصطفیٰ کی انگلی تھام کر وہ ہسپتال کے پرائیویٹ کمرے سے نکل آیا۔۔۔۔۔ پہلے ایک ریسٹورنٹ سے کھانا کھایا۔۔۔ کھایا بھی کیا۔۔۔ زہر مار کیا کیونکہ احد پورے وقت میں روتا رہا۔ اسکو صرف اماں کی گود کی عادت تھی ضارب کے پاس تو وہ صرف چند لمحوں کی لاڈیاں کرنے آتا تھا وہ بھی جب ضارب کا موڈ ہوتا یا وقت۔۔۔ احد نے سارے وقت میں کھایا بھی کچھ نہیں تھا۔۔۔ بس نان سٹاپ روتا رہا۔ وہیں سے اماں کے لئے کھانا پیک کروا کر واپس ہسپتال کا رخ کیا۔

اماں کا تو دل ہی پھٹ گیا احد کی سوچی ہوئی سرخ آنکھیں دیکھ کر اسکی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔۔

"ضارب کیا تم نے اسکا پیپر بدلا ہے؟" ...

ضارب نے لاعلمی سے نفی میں سر ہلایا۔ اماں کا جی چایا اپنا سر پیٹ لیں۔۔ فوراً بولیں
"اسکو یہاں بیڈ پر لٹا کر اسکی ٹیپی کھولو جلدی کر۔"

ضارب نے کھانے والا بیک اور گاڑی کی چابی سائیڈ میز پر رکھتے ہوئے احد کو بیڈ پر ڈال کر اناڑی پن سے
اسکی ٹیپی کھولی۔ احد کی جلد بری طرح سے سرخ نظر آرہی تھی۔
"ہائے میرے اللہ!!"

"ضارب تمہاری عقل نے کام نہیں کیا کہ صبح سے اسکی ایک دفعہ بھی ٹیپی نہیں بدلی۔ ٹیپی ریش نکل آئی
ہے۔ تبھی وہ بچارہ رو رو کر ہلکان ہو رہا ہے۔۔۔"

ضارب نے خود کو دو تین گالیاں دیں پھر اماں سے بھی الجھ پڑا۔
"اماں مجھے کیا خواب آتا تھا۔؟" اور ابھی صبح ہی تو بدل کر گھر سے لایا تھا۔
سفینہ نے تاسف سے سر ہلایا۔۔

"شاباش ہے بیٹا ابھی وقت پتا کیا ہوا ہے دن کے دو بج رہے ہیں۔۔۔ اب جاو جا کر میڈیکل سٹور سے
ٹیپی ریش کریم لیکر آؤ۔۔۔۔ احد کو بھی ساتھ ہی لے جاؤ یہاں بیڈ سے گرنہ جائے۔۔۔"

اس نے خوفناک ہو کر اماں کو دیکھا اور بولا

"ایسے ننگے کواٹھا کر لیجاؤں تاکہ اپنے ساتھ ساتھ یہ مجھے بھی گندا کر دے۔۔۔ اس نے باہر سر نکال کر نرسوں
کی جوڑی کو دیکھا جو کہ مزے سے بیٹھیں گئیں لگا رہی تھیں۔۔۔" ایکسکیوز می سسٹر۔!!

دو نرسیں کاریڈور میں موجود تھیں۔ دونوں نے اسی وقت پلٹ کر دیکھا اب ضارب کو کیا معلوم بچاریاں صبح
سے اسکی نگاہ کی منتظر اسی کمرے کے گرد گھوم رہی تھیں۔

آخر پرائیویٹ ٹی وی چینل کے نیوز ڈیپارٹمنٹ میں ایک مشہور ٹاک شو کا پریزنٹر تھا۔ اس پر اتنا ہنڈسم پھر ہو
بھی سنگل آف یعنی آل ان ون میکنج۔ وہ کوئی کافر ہی ہوتی جسے ضارب سیال یوں آواز مار کر متوجہ کرتا اور اگلی کی
دھڑکنیں نہ اٹھل پٹھل ہوتیں۔

ابھی بھی ایک کو بلایا تو دو آئیں۔۔۔" جی فرمائیں۔۔۔؟

ضارب نے ایک نظر دونوں نرسوں کو دیکھا جو یک زبان بولیں تھیں۔ اس نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے مدعا بیان کیا۔

"پلیز اگر آپ لوگوں کو زحمت نہ ہو تو تھوڑی سی مدد کر دیں گی؟؟"

وہ تو دل و جان سے تیار تھیں۔ شکل پر صاف لکھا بھی ہوا تھا۔ "جی جی کیوں نہیں!! کیا آئی کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟

اس نے پلٹ کر ایک نظر اماں پر ڈالی تو انکے چہرے پر پھیلی ناگواری دیکھ کر بمشکل ایک دفعہ پھر اپنی ہنسی چھپاتے ہوئے کہا بولا

"اصل میں میرے بیٹے کو پٹی ریش ہو گئی ہے اس کے لئے کریم لینے نیچے سٹور تک جانا ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی ایک یہاں اسکے پاس کھڑا ہو سکے میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔"

دونوں میں سے جو زیادہ ہوشیار تھی۔ وہ فوراً بولی۔

"ارے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں آپ رکیں ہمارے پاس کریم پڑی ہے میں لا دیتی ہوں وہی لگا دیں۔"

پھر ضارب کا جواب سنے بغیر ٹپ ٹپ کرتی جا کر کریم لے آئی۔ بلکہ احد کو لگا بھی دی۔ یہی نہیں اسکا فیڈر بھی لیجا کر دھو کر دودھ سے بھر لائی۔ مصطفیٰ کو کلرنگ بکس اور کلر پنسلیں پکڑا گئی۔ ضارب نے جتنا قی نظروں سے اماں کو دیکھا (دیکھا پھر آپ کے بیٹے کی ویلیو...!!)

احد دودھ پی کر ادھر ہی سو گیا۔ اس دوران ضارب کو اپنا فون دیکھنے کا وقت مل گیا تھا۔ کئی مس کالیں اور کوئی پچاس میسجز ان باکس کی زینت بنے ہوئے تھے۔

اتنا تو وقت نہیں تھا کہ باری باری سب میسج کھول کر پڑھتا اور پھر انہیں جواب بھی لکھتا۔ اسلیے سیدھا اپنی پروڈیوسر کا نمبر ملا کر نئی پیدا ہو جانے والی صورتحال سے آگاہ کیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ آج اسکے شو میں کوئی اور اینکر بیٹھا دیا جائے یا شو ہی نہ کیا جائے۔

پروڈیوسر نے ساری بات سنی اور بولی۔

”اگر تم نے چھ ماہ پہلے اپنی اماں کی بات مان لی ہوتی تو آج اس صورتحال کا شکار نہ ہوتے!! خیر دیر ابھی بھی نہیں ہوئی ہے۔ وہ کونسا کوئی غیر ہے اور ایم شیور اسکی بھی ابھی تک کہیں شادی نہیں ہوئی ہوگی اچھا موقع ہے اماں کی بات مان ہی لو۔۔۔“

اس نے درمیان میں ہی اسکی بات ٹوک دی۔ اور جھنجھلاتے ہوئے بولا

"یار نام نہ لو اسکا.....!!! اور دوسری بات تم ٹھیک کہہ رہی ہو دیر تو نہیں ہوئی میں ابھی ادھر ہسپتال میں کسی نرس کو ہی پرپوز کر دوں ناں تو فوراً سے ہاں کر دے گی۔ پر اپنی ماں کا کیا کروں یار۔۔۔؟؟ ان کو لوگوں پر اعتبار نہ کرنے کی بیماری ہے۔!!

”ابھی نرس نے صرف احد کی ٹیسی بدل کر اسکو فیڈ رہی بنا کر دیا ہے۔ اور اماں نے پہلے دودھ خود چکھا ہے پھر اپنے بچے کو پلایا ہے اور مسلسل بڑبڑا رہی تھیں کہ میں ایک انتہائی ناکارہ باپ ہوں ایویں کسی اجنبی کو کام کہہ رہا ہوں۔ اور نہ جانے اس نرس نے ہاتھ بھی دھوئے کہ نہیں۔۔۔ دودھ صحیح ابلنا ہوا بھی تھا کہ نہیں..... ان سب سوالوں اور خدشات کی انکے پاس لمبی فہرست ہے۔۔۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں وہ کس قدر شکلی ہیں۔ پر یا اس وقت میں واقعی پریشان ہو گیا ہوں اگر یہ حال رہا تو اگلے چھ ماہ تک ہمارا کیا بننے والا ہے۔ مصطفیٰ تو شہزادہ ہے پر یہ احد بڑی ٹیڑھی کھیر ہے جسکو بس اماں ہی سنبھال سکتی ہیں۔۔۔۔۔“

شمالکہ بولی ”میرا مشورہ مانو تو کوئی آیا ٹھونڈھ لو.....“

وہ اکتایا ہوا بولا " فوراً سے کس جادو کی چھڑی کو مار کر آ یا براۓ کروں...؟؟ اور اماں ایسا ہونے دیں گی اگر ان کو بھی منالوں تو بھی احد کے بچے نے مسئلہ حل ہونے نہیں دینا۔۔۔۔۔

شائلہ نے قہقہہ لگانے کے بعد اسکو وارن بھی کر دیا۔

”ضارب سیال تمہاری باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم نے آج نہ تو اپنا فون کھولا ہے نہ ٹی وی۔ ملک کی دوسری بڑی سیاسی پارٹی نے اسلام آباد میں صبح سے دھرنا دیا ہوا ہے۔ اور اس وقت ہر چھوٹے بڑے چینل پر اسکی کوریج چل رہی ہے۔ یہ سلسلہ کب تک چلتا ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر یہ کان کھول کر سن لو آج رات تم اپنے شو میں اسی حوالے سے بات کرو گے۔ اپنے نجی مسائل کو حل کر کے آؤ اور کسی بھی طرح پورے نو بجے تمہارا شو آن

لائن جانا چاہئے۔۔۔ تم سن رہے ہو۔۔۔؟؟

ہمارے چینل کی ریٹنگ میں تمہارے شو کی ویکو سب سے زیادہ ہے۔ اور آج تو لوگ خاص طور پر تمہارے شو کے منتظر ہو گئے۔ اپنا ہوم ورک کر کے ساتھ لانا پورے نو بجے۔۔۔" ساتھ ہی اس نے کال بند کی تو ضارب اپنا سر تھام کر رہ گیا۔ کمرے میں آ کر اماں کو ساری بات بتائی

"میں تو اپنی کہہ کہہ کر تھک گئی ضارب پر تم پر کوئی اثر نہ ہوا اب بھگتو۔۔۔"

ضارب نے اماں کو شکوہ کنناہ نظروں سے دیکھا اور بولا۔

"اماں اگر آپ کی سوئی ایک ہی نام پر نہ لگی ہوتی تاں تو میں کب کا اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکال چکا ہوتا۔ ضروری تو نہیں ہے نہ کہ جسکا نام پھوپھو نے ایک دفعہ آپکے سامنے لے دیا اسی سے ہی اب شادی ہو۔ میرے ارد گرد کوئی ہزار لڑکیاں ہیں ان میں سے کوئی آپکی ناک کو بھاتی نہیں اور جاہل عام سی عورت کو سر پہ سوار کر کے ایویں کی ضد لگا کر بیٹھی ہوئی ہیں۔۔۔"

اماں کو ہمیشہ سے اسکی اس بات پر اعتراض رہتا بھی بھی فوراً بولیں تھیں۔

"میں نے کوئی ضد نہیں لگائی ہوئی فرق بس یہ ہے کہ جن لڑکیوں کو تم گنوار ہے ہوا کو میں تو کیا تم خود بھی جانتے ہو کہ وہ تمہارے گھر کا سرکل نہیں سنبھال سکیں گی اور جسکی میں بات کرتی ہوں وہ میری دیکھی اور آزمائی ہوئی ہے۔"

ضارب ہاتھ سے مکھی اڑاتے ہوئے ناگواری سے بولا۔ "خاک آزمائی ہوئی ہے۔ صرف اتنا جانتی ہیں نہ کہ وہ پھوپھو کے مرحوم جیٹھ کی طلاق یافتہ بیٹی ہے جسکو اسکا سگا بھائی بھی اپنے گھر سے نکال چکا ہے۔"

اماں نے غصے سے ضارب کو بری طرح گھورا۔

"بس ضارب تو نے شادی نہیں کرنی نہ کر مگر اس نیک بخت کے بارے میں ایسی گھٹیا زبان استعمال نہ کر۔ اور جا آج سے تجھے میری طرف سے پوری اجازت ہے جہاں جی چاہے جس سے جی چاہے شادی کر لینا۔ جیسے ایک دفعہ پہلے کر چکے ہو۔ تب بھی ماں کے کہے کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اور آج بھی وہی عالم ہے۔ مگر میں آج کے بعد تم سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کروں گی۔"

وہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار ہوا۔۔۔، یہ اچھی مصیبت ہے۔ آپ فارحہ کو بیچ میں کیوں لاتی ہیں۔۔۔؟؟
 آپ اچھی طرح جانتی ہیں مجھے اعتراض اسکے آپ کی پسند ہونے پر نہیں ہے اماں بلکہ جیسی وہ ہے ویسا ہونے پر
 اعتراض ہے۔۔۔ ایسی کولیو کے تیل جیسی عورتیں مجھے پسند نہیں ہیں۔۔۔ اگر سچ بولوں تو آپ یوں بیگانوں سا
 رویہ اختیار کر لیتی ہیں۔ چلیں آج میں آپ کے من کی مراد پوری کر ہی دیتا ہوں۔۔۔ مگر جب اس عورت نے
 اپنی امیدوں پر پانی پھیرا تو مجھے کوئی الزام مت دیجیے گا۔۔۔

بہت دفعہ یہ بحث ہو چکی تھی اور آج تو وہ اس مقام پر کھڑا تھا کہ اور کوئی آپشن ہی نہ تھا۔ آگے پہاڑ پیچھے
 کھائی۔ اس وقت دن کے چار بج چکے تھے۔۔۔ وہ ایک دفعہ پھر زس کے پاس گیا اور اگلے دو تین گھنٹوں تک اماں
 کے ساتھ ساتھ دونوں بچوں کا خیال کرنے کا بول کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔
 گاڑی شیخوپورہ کی جانب ڈال کر اس نے پھوپھی کو فون کر کے مختصر سا سارے حالات کا نقشہ کھینچنے کے بعد
 اپنا فیصلہ بھی سنایا۔۔۔

☆.....☆.....☆

فون سننے کے بعد فاطمہ نے فوراً سے اپنی بہو کو بول کر اپنے میاں اور بیٹے کو فون کر دیا کہ جلدی گھر
 آئیں۔۔۔ اپنی بھانج کی تکلیف کا سن کر دکھ تو آیا ہی تھا مگر ضارب کے فیصلے نے دل پر پڑا بہت بڑا بوجھ ختم کر
 دیا۔ انہوں نے کام والی کو بلا کر مٹھائی اور گوشت وغیرہ لینے بھیجا چھوٹی بیٹی نے آکر سارا ماجرہ پوچھا۔

آپ کو بیٹھے بیٹھے کیا ہو گیا ہے کیوں سب کی دوڑیں لگوا رہی ہیں۔۔۔؟؟

فاطمہ کا چہرہ چمک رہا تھا۔ بڑے مان سے بولیں۔۔۔ میرا ضارب آرہا ہے۔۔۔
 عمارہ نے تعجب سے ماں کی خوشی کو دیکھا پھر پوچھا۔

،، وہ تو ٹھیک ہے مگر آپ انکی آمد پر آج سے پہلے تو اتنی زیادہ خوش نہیں ہوئی ہیں،،

فاطمہ نے بیٹی کو مصنوعی ناراضگی سے گھورا۔،، میں تو ہمیشہ اسکے آنے پر یونہی خوش ہوتی ہوں۔ البتہ آج میں
 واقعی زیادہ خوش ہوں۔ کیونکہ آج میری عافیہ کا نکاح ہے۔،،

عمارہ کے ساتھ ساتھ برآمدے میں بیٹھ کر سبزی بناتی عافیہ بھی اپنا نام سن کر اچھل پڑی ہاتھ میں پکڑی تیز

دھار چھری سیدھی انگوٹھے میں گھسی، ہی نکل گئی۔

اندر عمارہ اب فاطمہ کا سر کھا رہی تھی۔، تو کیا ضارب بھائی مان گئے۔؟؟

فاطمہ نے الماری سے چادر نکال کر اوڑھتے ہوئے بیٹی کے سوال کا جواب دیا۔

،، اپنی مرضی سے ہی آرہا ہے۔۔ اب تم میری بات سنو میں عافیہ کو لیکر بیوٹی پارلر جا رہی ہوں جتنی دیر وہ اسکی فیشل وغیرہ کریں گی میں مارکیٹ سے اسکے لئے جوڑا جوتی اور کوئی چوڑیاں وغیرہ لے آؤں گی۔ عمارہ تم جاو اور ساری برادری والوں کو پیغام دے آؤ کہ ڈیڑھ گھنٹے بعد عافیہ کا نکاح ضارب سے یہاں ہمارے گھر میں ہوگا سب آئیں۔ مگر اسکے بھائی بھابھی کو مت بلانا اور ثنا تمہارے ابو آتے ہیں تو انکو کھانا مولوی کا انتظام کر دیں ضارب کو فوراً واپسی کے لئے نکلنا ہوگا بھابی ہسپتال میں ہیں اور بچے بھی وہ کسی کے پاس چھوڑ کر آرہا ہے۔۔۔ اور ہاں میرے کپڑے تیار کر دینا میں بھی ان دونوں کے ساتھ ہی جاؤں گی۔ سفینہ کی طبیعت پوچھ کر صبح ہی واپس آ جاؤں گی۔۔۔ کمن نانی کو میں نے بلایا ہے آتی ہے تو اسکو کھانا اچھا اور سادہ سا کھانا اگلے دو گھنٹوں میں تیار ملنا چاہئے۔۔۔“

سب کو کام پر لگا کر وہ خود عافیہ کے پاس آئیں جو کچن کے ق کے نیچے ہاتھ رکھے پانی کی دھار کو ڈبڈبائی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔ فاطمہ نے جاتے ہی اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لگا لیا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ پائی۔ فاطمہ کے کندھے پر سر رکھ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔

،، چچی یہ ظلم نہ کریں اگر میں یہاں کسی کے لئے تکلیف کا باعث ہوں تو میں چلی جاؤں گی مگر پلیز میں یہ نکاح نہیں کرنا چاہتی۔۔۔“

فاطمہ نے اسکے لبوں پر انگلی رکھ دی۔ اور شفقت سے بولیں۔۔

،، دیکھ ہاں جھلی نہ ہووے تے بھلا بیٹیاں بھی کوئی بوجھ ہوتی ہیں۔، مگر پھر بھی ساری عمر تو ماں باپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہیں ایک دن اپنے گھر جانا ہی ہوتا ہے تمہیں تو اللہ نے دو معصوم جانوں کی پرورش کے لئے چنا ہے۔۔“

اس نے تلخی سے مسکراتے ہوئے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ اور بولی،، چچی بارش کے پانی میں کاغذ کی

کشتیاں زیادہ دیر تک نہیں تیرتیں بارش رک جائے تو سوکھ جاتی ہیں اور زیادہ آجائے تو ڈوب جاتی ہیں۔۔۔ میں چھ سال تک ایک مرد سے وابستہ رہی ہوں اور اس نے مجھ پر بانجھ ہونے کا ٹھپہ لگا کر مجھے گھر سے نکالا تھا۔۔۔۔۔ اگر اللہ نے مجھے ہی چننا ہوتا تو میری کوکھ ویران نہ رکھتا۔۔۔ ابھی تو بس لگتا ہے کہ آپ کے گھر سے میرا دانہ پانی اٹھ گیا ہے۔۔۔

فاطمہ نے اسکے صبحی چہرے پر چمکتی نمی کو صاف کر دیا اور بولیں۔۔۔
 ،، چلو اب میرے ساتھ مزید کوئی مایوسی کی بات نہیں کرنی ویسے بھی وقت بہت کم ہے۔۔۔
 اس دفعہ اس نے کچھ نہ کہا چپ چاپ انکے ساتھ چل پڑی۔

جب تک ضارب وہاں پہنچا سارے انتظام مکمل تھے۔ وہ اپنے ساتھ مٹھائی کے چار ٹوکڑے اور فروٹ وغیرہ لیکر آیا تھا۔ رسوں رواجوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ آتے ہی نکاح پڑھا گیا سب نے روٹی کھائی اور ضارب نے چند لقمے لئے تھے کیونکہ سارا دھیان ہسپتال میں پڑی ماں اور ایک بالکل اجنبی عورت کے پاس چھوڑے بچوں کی جانب تھا۔ واپسی پر عافیہ اور فاطمہ دونوں ساتھ تھیں۔۔۔ پھوپھو کے ساتھ تو سارا رستہ کوئی نہ کوئی بات کرتا آیا تھا مگر کچھلی سیٹ پر بیٹھا وجود بالکل ساکت تھا۔۔۔۔۔

☆.....☆.....☆

وہ ان لوگوں میں سے تھی جو ہوتے ہی ٹھنڈے بیٹھے سے ہیں۔ جن کی زندگی میں کوئی خواہشات کے ان دیکھے انبار نہیں ہوتے۔ نہ ہی چاند دیکھ آنے کے خواب۔ کلاس میں آگے بیٹھنے کی بجائے پیچھے چھپ کر بیٹھتے ہیں کہ کہیں آگے بیٹھ کر پیچھے ہونے والی سرگوشیاں اور لطیفے سننے سے محروم نہ رہ جائیں اور دوسرا یہ بھی کہ دوسری کلاس کے ساتھ ساتھ ٹیچر کیا سوچے گی کتنی بے شرم لڑکی ہے یوں اتنوں کا حق مار کر آگے نکلے ہوئی ہے۔

ساری دوستوں میں اسے ہمیشہ وہ حیثیت حاصل رہی تھی جو کہ اندھوں میں ایک کانے کی ہوتی۔ کسی نے تعریف کر دی کہ ،، عافیہ تمہاری انگلی کی پنڈرائٹنگ کتنی پیاری ہے ذرا میرا کام بھی لکھ دو ناں ،، بس جی پھر کیا تھا عافیہ جی نے اپنا سارا دن مار کر بس دوستوں کا ہوم ورک ہی لکھا اور جب اپنی باری آئی تب تک تھکاوٹ اتنی ہو گئی تھی کہ صبح سکول میں ڈنڈے ہی کھالے۔۔۔

اسی طرح کے بیش بہا واقعات سے اسکی سکول دور کی ہسٹری بھری پڑی تھی مگر پورے بچپن اسکے بعد لڑک پن کے دوران کہیں ڈھونڈنے سے بھی خود غرضی کا کوئی واقعہ نہ ملتا تھا۔ گھر میں اسکے علاوہ دو بھائی تھے ایک اس سے تین سال چھوٹا اور ایک چار سال بڑا تھا۔ اور دونوں بھائیوں کا اس پر رعب تھا۔ گھر سے باہر بس ضروری کام سے جانے کی اجازت تھی اور وہ بھی امی ابو یا بھائیوں کے ساتھ اکیلے تو ہمایوں تک گھر نہ جاتی۔

امی اس سے اتنے گھر کے کام نہیں کرواتی تھیں مگر بھائی سکون سے بیٹھنے نہ دیتے کبھی فرمائش کر کے چائیز اور نہ جانے کیا کیا بنواتے اپنے جوتے پالش کرواتے کپڑے استری کرواتے اور وہ مرتا کیا نہ کرتا کی تصویر بنی کبھی کام کر دیتی اسی لئے امی نے کبھی اسکو کام کے معاملے میں زیادہ دباؤ نہیں دیا تھا ہاں وقت کے ساتھ ساتھ سیکھاتی اسکو سب رہی تھیں۔

وہ فرسٹ ایئر میں تھی جب امی ابو نے بھائی کی شادی کر دی وہ یقیناً بہت خوش تھی اور امی ابو کی طرح وہ بھی نئی بھابھی کے لاڈ اٹھاتی نہیں تھکتی تھی۔۔۔ ابو کی شہر میں مارکیٹ میں کپڑوں کی دکان تھی جو کہ اللہ کے فضل سے خوب چلتی۔ اس لئے کبھی مالی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور دیسے بھی چھوٹی سی میانہ روی سے چلنے والی فیملی تھی۔۔۔ زندگی میں پہلی آزمائش تب آئی جب کسی رشتے دار کی شادی سے واپسی پر امی ابو جس بس میں سوار تھے وہ حادثے کا شکار ہو گئی ٹوٹل چھ جانوں کا ضیاع ہوا جن میں سے دو لوگ عافیہ کی امی اور ابو تھے۔۔۔

یہ دو پیاری ہستیاں کیا چھوڑ کر گئیں زندگی سے خوشیاں ہی روٹھ گئیں۔۔۔

بھابھی نے جلدی جلدی میں بھائی کو راضی کر کے عافیہ کی شادی اپنے چھوٹے بھائی سے کروائی جس کی تعریفیں وہ دن رات کرتے نہیں تھکتی تھیں۔

اُس نے پہلے ہی دن حوالات کی سیر کروادی کیونکہ پولیس دو لمبے کوڈ کیتی کے جرم میں گرفتار کرنے آئی دولہا نہ ملا تو اس تک پہنچنے کے لئے اس کے ماں باپ کے ساتھ ساتھ بیوی کو بھی پکڑ کر لے گئی۔۔۔

دوسرے دن اسکی ضمانت کروانے والے اسکے چچا تھے۔ شوہر پولیس کسٹڈی میں گیا تو گیارہ ماہ کی جیل کاٹنے کے بعد ہی باہر آیا۔ یہ تمام عرصہ اس نے اپنے سرال کو پالتے گزارا اور خرچے اٹھانے والا اسکا اپنا ماں جایا تھا۔ جو بیوی کے پیار میں یا پھر دنیا داری میں اتنا اندھا ہو چکا تھا۔ کہ اسکو اپنے بہن بھائی کے خاموش آنسو نظر

ہی نہ آتے۔

عافیہ کا تو گریجویشن بھی مکمل نہ ہوا تھا اور چھوٹا بھائی ابھی ایف اے میں ہی آیا کہ بڑے بھائی نے فیصلہ سنا دیا کہ مزید فیسوں کے خرچے برداشت نہیں کر سکتا۔ لہذا کسی کام سے لگو۔ مگر اپنے ساتھ باپ کے شروع کئے ہوئے کاروبار میں بھی شامل کرنے سے انکار کر دیا۔ جو کسر رہ گئی تھی وہ بھابھی نے پوری کر دی نہ وہ کامران کے کپڑے اسکو دھو کر دیتی نہ کھانا اپنے میاں اور بچوں کے ساتھ اسکو دیتی۔۔

وہ اتنا دونوں میاں بیوی کے رویے سے عاجز آیا کہ بھائی کی الماری سے رقم چوری کر کے ایک ایجنٹ کے ذریعے ملک سے باہر چلا گیا۔

بڑے بھائی نے اس چیز کا بدلہ بھی عافیہ سے مزید بے رخی برت کر لیا۔ کہ اسکا حال احوال ہی پوچھنا چھوڑ دیا۔ بھابھی ہر تہوار اور سیزن پر شوہر سے عافیہ کو دینے کے لئے رقم نکھواتی مگر آج تک وہ رقم عافیہ کے نصیب میں نہ ہوئی۔ کئی گرمیاں ایسی بھی گئیں جب سارے گھر والے عمدہ کاٹن کے جوڑے پہن کر انٹر کنڈیشنڈ کمروں میں آرام کرتے اور وہ موٹا کھدر پہنے کچن میں کھانے بنا رہی ہوتی۔۔۔۔۔ عدیل جو کہ اسکا شوہر کم ایک ڈکیٹ زیادہ تھا اس کا ایک ہی شوق تھا۔ کوئی چھوٹا موٹا ہاتھ مارتا مکھل کر عیاشی کرتا پکڑا جاتا۔ تو سزا کاٹ کر واپسی پر دوبارہ سے دھندہ شروع اسکا بس یہی جنون تھا۔

محنت کے نام سے بھی نفرت کبھی جب دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر عافیہ سمجھانے کی غلطی کر دیتی جو کہ اس نے اپنی سات سالہ ازدواجی زندگی میں صرف تین بار کی تھی۔۔۔۔۔ بد لے میں وہ کئے گھونے اور لاتیں گالیاں کھائیں کہ چور بھی تو بہ کر جائے۔

ساری کہانی وہاں آکر ختم ہو گئی جہاں عدیل نے ایک امیر زادی سے رابطہ استوار کر لیا۔ بات شادی کرنے تک آگئی عدیل نے ماں کے مشورے پر عافیہ کو ہمیشہ کے لئے فارغ کر دیا کیونکہ نئی ہونے والی بہو کے گھر والوں کو شک ہو گیا تھا کہ عافیہ کا عدیل سے کیا رشتہ ہے۔ بہت کہا کہ نوکرانی ہے مگر پھر عافیہ کو منظر سے ہمیشہ کے لئے ہٹانے میں ہی عافیت جانی۔۔۔ اور الزام یہ لگا دیا کہ اتنے سال شادی کو ہو گئے مگر عافیہ اولاد پیدا نہ کر سکی اور نہ کر سکتی ہے۔ اسلیے دوسری شادی کرنا ہر مرد کی طرح عدیل کا بھی بنیادی حق ہے۔

سات سالوں کی مشقت محنت مزدوری کے بعد کوئی اپنے گھر کو آئے ناں تو کم از کم جیسے بھری ہوئی ہوتی ہیں مگر عافیہ کا دل، دامن، گود، سب خالی تھا۔

زندگی کے اس موڑ پر اسکو سمجھ ہی نہ آیا کہ خوشی کا اظہار کرنا چاہئے یا کہ رونا چاہیے۔۔۔ آگے بھائی کے گھر میں بھائی کی اپنی حیثیت شائد دو کوڑی کی بھی نہ تھی تو وہ بہن کو کیا کرتا۔۔۔؟

بھابھی کو جب اپنی ماں اور بھائی پر غصہ آتا جنہوں نے عافیہ کو دو بارہ سے لاکھ سر پر سوار کیا تھا تو وہ غصہ بھی وہ عافیہ پر ہی نکالتی۔ جو تین نوکرانیاں رکھی ہوئیں تھیں جن میں سے ایک ہفتے میں دو دفعہ کپڑے دھو کر استری کرتی ایک ہر روز دو دفعہ آ کر برتن دھوتی اور تیسری صفائی والی تینوں کی چھٹی کروادی اور ہر کام کا چارج عافیہ کے سر آ گیا۔ گلی محلے یا برادری میں کسی کے گھر بھائی یا بھابھی کا آنا جانا نہیں تھا۔۔۔ اور سچی بات تو یہ کہ بھابھی کی زبان نے ہی لوگوں کو انکی زندگیوں سے دور کر دیا ہوا تھا۔ اس دن وہ واشنگ مشین میں گرم پانی ڈالنے لگی تھی جب ہاتھ پھسلنے سے سارا پانی اسکے ہاتھ پر گر گیا۔ جان ہی نکل گئی تھی۔ زخم زیادہ پھیل گیا کوئی کام نہ کیا جاتا تو بھابھی بادل نخواستہ اسکو ڈاکٹر کے پاس لے گئیں۔

ادھر فاطمہ سے ملاقات ہو گئی جو کہ عافیہ کا ہاتھ دیکھ کر حیران پریشان رہ گئیں۔
بھابھی کو دو چار سنا دیں کہ مفت کی نوکرانی ملی ہوئی ہے پہلے اپنے میکے کی خدمتیں کرواتی رہی ہو۔ اب خود کسر پوری کر رہی ہو ایک دفعہ ہی اسکا گلا گھونٹ کر کام کیوں نہیں کر دیتیں،،

اب کون پیدا ہوا تھا جو بھابھی کو آئینہ دیکھانے کی جرات کر سکتا تھا۔ اس نے وہاں بھی فاطمہ چچی کو کھری کھری سنانے کی کوشش کی اور جب وہ اسکو زیادہ بولنے کا موقع دیئے بغیر وہاں سے چلی گئیں۔ تو گھر آ کر سارا غصہ عافیہ پر نکالا۔ شوہر کے آنے پر مزید ڈرامہ کر کے سارا محلہ اکٹھا کر لیا کہ اب اس گھر میں یا تو عافیہ رہے گی یا میں۔ فاطمہ کے کانوں تک آواز پڑی تو انہوں نے اسی وقت جا کر عافیہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے آئیں ایک دن گزار دو دن عافیہ کو یقین تھا بھائی اسکو ایسے چچا کے گھر نہیں رہنے دے گا۔

مگر اسکا یقین بوگس ثابت ہوا دو دن دو ہفتوں میں بدلے اور ہفتے سال میں تبدیل ہو گئے بھائی کو اسکی خبر لینے آنا تھا نہ ہی وہ آیا۔۔۔

ضارب نے آنکھیں گھمائیں۔۔۔

”ویسے آپ دونوں خواتین حد ہی کرتی ہیں۔۔۔۔۔ آپ کی عافیہ کے پاس آئی ہو پ کہ کوئی جادو کی چھڑی ہو جس کیساتھ آنکھ جھپکتے ہی سب کچھ بدل دے گی۔۔۔“

اسکے طنز کو سفینہ اور فاطمہ نے تو گھوری سے نوزا جبکہ جس کے حوالے سے کہا گیا تھا۔ وہ سر جھکا کر بیٹھی فرش کا ڈیزائن جانچ رہی تھی۔ چہرے پہ کوئی ایسا تاثر نہ تھا۔ جو یہ ظاہر کرتا کہ اس نے ضارب کی بات سنی بھی تھی کہ نہیں پر دل میں وہ جو سوال نکاح کے وقت سے ہی سر اٹھا رہے تھے کہ آیا وہ اس نکاح کے لئے مانا کیسے کیونکہ اس بات کا تو اسے علم تھا کہ جب احد کی پیدائش کے وقت فارحہ کی وفات ہو گئی تھی۔۔ اسکے بعد سے دونوں بچوں کو سفینہ نے ہی سنبھالا تھا۔۔ اور وقتاً فوقتاً یہ بات بھی کانوں میں پڑتی رہی تھی کہ فاطمہ اور سفینہ نے ضارب کو عافیہ سے شادی کرنے کا بولا تھا۔ کیونکہ سفینہ کی جب کچھ ماہ پہلے شوگر شوٹ کر جانے کی وجہ سے کئی دن بیمار رہیں۔ تو ہر دفعہ فاطمہ ہی ریسکیو کو آتی تھیں۔

ضارب پر شادی کا دباؤ بھی ڈالا جاتا۔ اسکو شادی کرنے سے انکار نہیں تھا۔ بس جس کے ساتھ ماں اور پھوپھی کروانا چاہتی تھیں اسکے ساتھ کروانے سے انکار تھا۔

مگر ابھی سفینہ کی حالت اور ساری پچویشن دیکھ کر وہ سمجھ گئی تھی۔ کہ وہ کیوں ہار گیا تھا۔

”ماں کی خواہش پر عمل اس نے دل سے نہیں بلکہ مجبوری میں کیا تھا۔۔۔۔۔“

فاطمہ کی آواز پر وہ چونکی۔۔۔

”ضارب احد عافیہ کو پکڑاؤ اور جاؤ جا کر گاڑی میں رکھا کھانا اور مٹھائی نکال لاؤ۔۔۔۔۔“

خود وہ مصطفیٰ کو اٹھانے لگیں جو دادی کے بیڈ پر ہی سو رہا تھا۔

”آپ نے مجھے نیچے ہی بتانا تھا ناں کہ ان بیگز میں کھانا ہے اب میں پھر اتنی دور پارکنگ لاٹ تک جاؤں پھر واپس آؤں۔ آدھا گھنٹہ تو ادھر ہی برباد ہوگا۔ ابھی مجھے آفس کے لئے بھی نکلنا ہے، اور اماں چھٹی کرنے کا مشورہ بھی مت دیجیے گا۔ آج کے دن چھٹی کا مطلب نوکری کو ناٹا بائے بائے بولنا ہے۔۔۔۔۔“

اماں کو کچھ کہنے کے پر تو لے دیکھ کر اس نے پہلے ہی انہیں چپ کر دیا۔ انہوں نے ماتھے پہ ہاتھ رکھا اور

بولیں۔ "بھلا تم سے کوئی جیت سکتا ہے؟؟۔۔۔"

اس نے احد کو پھوپھو کی گود میں ڈالا۔ سفینہ نے ہدایت دی۔۔۔

"ضارب ایسا کرو عافیہ اور بچوں کو گھر چھوڑ آؤ ادھر احد بیمار ہی نہ پڑ جائے۔ اور ہاں واپسی پر دوسرے ہانے اور چادریں لے آنا۔ عافیہ بیٹی معاف کرنا تمہارا روایتی استقبال نہیں کر پائی ہوں پر تم دل پر مت لینا ایک دفعہ گھر آ جاؤں۔۔۔"

ضارب نے سوئے ہوئے مصطفیٰ کو گود میں اٹھاتے ہوئے اماں کو درمیان میں ہی ٹوک دیا۔۔۔

"اماں بقول آپکے اور مجھ بھی کے محترمہ عافیہ کافی سمجھدار خاتون ہیں۔ تو پھر آپکو صفائی پیش کرنے کی ضرورت ہونی تو نہیں چاہئے۔ حقیقت تو یہاں اندھے کو بھی نظر آرہی ہے۔ اور عافیہ بی بی تم احد کو اٹھا کر چلو میرے ساتھ میں تمہیں اماں کی راجھدانی میں چھوڑ کر آؤں۔۔۔"

عافیہ تو تھی ہی اک عرصے سے حکم کی غلام اسی طرح فوراً انھی احد کو سینے سے لگایا اسکا فیڈر وغیرہ تمام کرسفینہ کو اجازت طلب نظروں سے دیکھا جو کہ ضارب کی زبان سے شرمندگی محسوس کر رہی تھیں۔۔۔

"جاو بیٹی اپنے گھر جارہی ہو، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔"

ضارب دروازے کے باہر اسکے انتظار میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی عافیہ بھی باہر آئی اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ مگر جب تک وہ سیڑھیوں کے قریب آئی وہ آدمی سیڑھیاں اتر چکا تھا۔ ایک تو ریشمی دوپٹہ جو سر پر بالکل بھی نکلنے سے انکاری تھا۔ اوپر سے ہیل والا جوتا جو کہ فاطمہ چچی کی پسند تھا۔ پھر احد جو کہ اپنی گول موٹی موٹی آنکھیں کھول کر اشتیاق سے ادھر ادھر سرگھا کر دیکھنے میں مصروف تھا۔

جیسے تیسے وہ بیرونی دروازے سے باہر آئی ضارب اور مصطفیٰ کہیں بھی نظر نہ آئے۔

وہ داخلی سیڑھیاں اتر کر سڑک پر آئی تب ہی جانی پہچانی گاڑی قریب رکی، ڈرائیونگ سیٹ پر ضارب اور اسکے ساتھ والی سیٹ پر آنکھیں مسلتا ہوا مصطفیٰ۔

ضارب نے نیچے اتر کر احد کو تمام کر عافیہ کے لئے پچھلا دروازہ کھولا۔ جب وہ بیٹھ گئی۔ تو احد کو دوبارہ اسکی گود میں دے دیا۔

خود آ کر دوبارہ سے اپنی سیٹ سنبھال کر گاڑی گھر کی جانب ڈال دی۔ احد نے اپنا پسندیدہ مشغلہ شروع کیا تو مصطفیٰ کی ساری توجہ احد کو اٹھا کر بیٹھی ہستی کی جانب گئی۔ اپنی سیٹ پر کھڑا ہو کر پیچھے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک اندھیرے میں خاموشی سے جائزہ لینے کی کوشش میں مصروف رہا۔ عافیہ کندھے سے لگا کر احد کو باہر نظر آنے والی روشنیوں کی جانب متوجہ کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ اور سارے عمل میں زبان سے کچھ بولنے کو تیار نہ تھی۔ اچانک ضارب کی آواز بلند ہوئی۔

”حد ہے ویسے یا احد کبھی تھکتے نہیں ہوا اپنے ریاض سے؟؟ بیٹا تو ایک بات کان کھول کر سن لے میرا تجھے سگر بنانے کا کوئی ارادہ نہیں اس لیے اپنی انرجی کسی اور کام میں صرف کرو۔“

کہتے ہوئے اس نے گاڑی کی اندرونی روشنی جلا دی۔ اب احد منہ میں انگلی ڈالے حیرت سے باپ کو دیکھتا۔ کبھی زور زور سے ہنستے مصطفیٰ کو۔ مصطفیٰ براہ راست باپ سے مخاطب ہوا۔

”پاپا کیا یہ نرس آنٹی ہمارے ساتھ ہمارے گھر جا رہی ہیں۔۔۔؟“

سامنے روڈ سے نظر ہٹا کر ضارب نے اک پل کو بیٹے پر نظر ڈالی۔

”ہاں یا اب یہ ہمارے ساتھ ہی رہیں گی۔“

مصطفیٰ کی آنکھوں میں تجسس جاگا۔

”مگر یہ ہمارے ساتھ کیوں رہیں گی انکا اپنا گھر نہیں ہے کیا؟؟“

ضارب نے بیٹکی تفتیشی فطرت پر مشکل سے ہنسی روکی۔

”بس یا ربچاری اکیلی ہے۔ نہ کوئی گھر بار نہ کوئی اپنا اس لیے دادو نے اسکو گود لے لیا ہے۔“

مصطفیٰ نے ہمدرد اور نرم نظروں سے عافیہ کے جھکے سر کو دیکھا جو اپنی سسکیوں کو مارنے کی کوشش میں مری جا رہی تھی۔ مصطفیٰ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد باپ کے کان کے قریب جھکا۔ ”پاپا آئی تھنک نرس آنٹی رورہی ہیں۔“

ضارب نے ایک اچھٹی سی نظربیک ویو مرر سے اس پر ڈالی۔

”یار بچاری کے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ اسکی قسمت تیرے باپ کے ساتھ پھوٹی ہے۔ رو لینے دو اتنا سا تو

حق بنتا ہے۔۔۔۔۔

گھر پہنچنے تک مصطفیٰ عافیہ کو رحم بھری نظروں سے دیکھتا گیا۔ دوسرا بھائی اسکی کانچ کی چوڑیوں سے کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ اور باپ سنجیدگی سے لب بھینچنے گاڑی چلاتا رہا۔ دروازہ چوکیدار نے کھولا تھا۔ ابھی عافیہ اور بچے گاڑی میں ہی تھے اور صاحب تیزی سے اندر کہیں گم بھی ہو گئے۔ مصطفیٰ نے ہی اسکو ساتھ آنے کا بولا۔

”نرس آنٹی آئیں اندر میں آپکو گھر دیکھاتا ہوں پاپا تو لگتا ہے آفس کے لئے تیار ہونے گئے ہیں۔۔۔“ عافیہ نے احد کا سامان مصطفیٰ کو پکڑایا اور احد کو گود میں لئے مصطفیٰ کے پیچھے پیچھے آگئی۔ سوائے پورچ والی لائٹ کے بیرونی باقی سب روشنیاں گل تھیں۔

گھر اندر سے کافی کھلا اور بڑا تھا۔۔۔ پورچ سے چھوٹی سی گلی پیچھے جا کر ایک دروازے کے پاس رکتی تھی۔ جہاں ایک اور دروازہ گلی کے دوسرے حصے کی جانب کھلتا تھا۔ مگر اس وقت اس پر تالا پڑا ہوا تھا۔ لکڑی کا بھاری دروازہ کھول کر وہ مصطفیٰ کی پیروی میں گھر کے اندر داخل ہوئی۔

”یہ ہمارا گھر ہے وہ سامنے کچن ہے اسکے ساتھ اسکے ساتھ جو گلی نظر آرہی ہے۔ ادھر گیٹ روم اور ڈرائنگ روم ہیں۔ اس طرف یہ سامنے والا کمرہ دادو کا ہے۔ اسکے ساتھ والا میرا اور احد کا۔ اور وہ پیچھے والا کمرہ پاپا کا ہے۔ ساتھ میں سٹور پھر پاپا کا آفس اور بس۔ پیچھے ہمارا گارڈن بہت بڑا ہے سونگ پول بھی ہے۔ ہمارے گارڈن میں مالے اور امرود کے پتھر بھی ہیں۔“

مصطفیٰ نان شاپ بولنے میں مصروف تھا۔ اور اسکا باپ سرے سے ہی غائب۔

”مصطفیٰ مجھے بتاؤ گے کہ دادو بستر اور اپنے کپڑے وغیرہ کدھر رکھتی ہیں؟“

مصطفیٰ نے ایک دفعہ تو منہ کھول کر حیرت سے اسکو دیکھا کہ آپ بولتی بھی ہیں۔

”دادو کے کپڑے انکی کبرڈ میں ہوتے ہیں۔ اور بستر وغیرہ ادھر سٹور میں۔“

اس نے ہیل سے پیر آزاد کئے احد کو ویسے ہی اٹھائے سفینہ کے کمرے کا رخ کیا۔

اب اوکھلی میں سر تو آ ہی چکا تھا۔ پھر ڈرنے کی کیا بات تھی؟ انکی الماری میں دھلے استری شدہ دو ہی

جوڑے نظر آئے۔ اس نے نکال کر بیڈ پر رکھے پھر ادھر ادھر بیک کی تلاش میں نظر دوڑائی۔ جو جلد ہی مل گیا۔ بیک میں پہلے سنور روم سے دو چادریں رکھیں اور پھر سفینہ کا لباس اور ان کے ہاتھ روم سے ٹوتھ برش پیسٹ کیساتھ ساتھ صابن، تولیا، وغیرہ بھی رکھ دیا۔ بیک باہر ہال والے صوفے پر رکھنے کے بعد کچن کا رخ کیا۔ لائٹ آن کرتے ہی نظر کھلے پڑے آٹے اور ڈھکن اٹھی سالن کی پتیلی کے ساتھ ساتھ سنک کے گرد بکھرے گندے برتنوں پر پڑی۔

”یہ سارا گند پاپا نے صبح دودھ گرم کرتے وقت ڈالا تھا۔ ورنہ دادو تو سب صاف رکھتی ہیں۔ اور مجھے لگتا ہے آج اللہ رکھی بھی نہیں آئی ہے۔“

اسکوروز مرہ کے انداز میں کچن سنبھالتے دیکھ کر مصطفیٰ خاموش نہ رہ سکا اپنی دادی کی صفائی پسند عادت کا ذکر کرنا ضروری جانا۔ احدا بھی بھی گود میں ہی تھا۔ دھونے والے سارے برتن سنک میں رکھتے ہوئے وہ مصطفیٰ سے مخاطب ہوئی۔۔۔۔

”مصطفیٰ آپ جا کر اپنے پاپا کو بتا دو کہ جو بیک باہر رکھا ہے۔ وہ ہسپتال لیتے جائیں اور میں چائے بنا کر تھرمس بھر دیتی ہوں۔ وہ بھی لے جائیں۔“

مصطفیٰ سر ہلاتا ہوا باہر کو جانے لگا تھا کہ اسی وقت ضارب کا چہرہ کچن کے دروازے میں ابھرا۔ وہ یقیناً عافیہ کی بات سن چکا تھا۔ اس لئے بولا۔

”چائے بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ میں بس انکو کھانا اور کپڑے دیتا ہوا جاؤں گا۔ باہر چوکیدار ہر وقت رہے گا، اور ویسے بھی یہ سیکورڈ علاقہ ہے، تو ایسی ویسی کوئی فکر پالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اماں کا موبائل لے جا رہا ہوں کوئی مسئلہ ہو تو انہیں فون کر لینا۔ خاص کر احد تمہارے لئے ٹیڑھی کھیر ثابت ہوگا۔ اس کا رونا بند رکھنے کے لئے اماں سے جادو ٹونے پوچھ لینا۔ فون نمبرز فون شیڈ پر پڑی کاپی میں ہی سب درج ہیں۔“

وہ نہادھو کر ٹی شرٹ اور ٹراؤزر کی بجائے ٹوپس سوٹ میں ملبوس تھا۔ عافیہ نے نہ ہی اسکی طرف رخ کیا نہ ہی مڑ کر دیکھا ویسے ہی سنک کے سامنے کھڑی رہی۔

”سارے دروازے میں چپک کر چکا ہوں۔ بس میرے نکلنے کے بعد ہال کا دروازہ بند کر لو۔“

اپنی بات پوری ہوئی تو وہ یہ جاوہ جا۔

گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی۔ جب وہ کچن سے نکل کر دروازہ بند کرنے آئی۔ دروازہ لاک کرتے ہی دوبارہ کچن میں آ گئی۔

نئی دیکھی نکال کر دودھ گرم کرنے کو رکھا۔ ساتھ ہی فرج کھول کر جائزہ لیا۔

بریڈ انڈے مکھن جام سب ہی موجود پایا۔ احد کو اسکی واکر میں ڈالنا چاہا تو اس نے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ اس کی گود میں آتے ہی پھر چپ گود سے اترتے ہی چلا اٹھتا۔

مصطفیٰ نے اپنے ماتھے پر دادی کے سائل میں ہتھیلی ماری۔ اور بولا۔

”چلو جی یہ پھر شروع ہو گیا۔۔۔ اب یہ آپکی جان نہیں چھوڑے گا۔ کبھی کبھی یہ دادو کیساتھ بھی ایسے ہی کرتا ہے۔ انہیں کوئی کام بھی نہیں کرنے دیتا۔۔۔ آپ اسے ساتھ بیٹھو نرس آنٹی میں آپکو چاکلیٹ سینڈویچ بنا کر دیتا ہوں۔ احد کو بھی میرے چاکلیٹ سینڈویچ پسند ہیں۔۔۔“

مصطفیٰ واپس فریج کی جانب گیا۔ مکھن چاکلیٹ اور بریڈ نکال کر میز پر رکھنے کے بعد ایک دراز سے پلیٹ اور چھری نکال لایا۔ اور لگا اپنے سینڈویچ بنانے۔

عافیہ مسکراتے ہوئے دلچسپ نظروں سے اس کے چلتے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ جبکہ احد ساری کاروائی پر ہاتھوں سے تالیاں بجا بجا کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

دودھ ایلنے پر اس نے ٹھنڈا کر کے ایک گلاس بھر کر مصطفیٰ کے سامنے رکھا۔ ایک کپ میں احد کے لئے اور ساتھ ہی اس کے دو فیڈر بھر دیئے۔ جب واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھی مصطفیٰ نے سب کے لئے دودھ سینڈویچ بنا کر پلیٹ میں رکھ دیئے تھے۔ اور حیرت سے اسکو پوچھا۔

”آپ نے اپنے لئے دودھ نہیں نکالا؟“

اس کے سوال سے زیادہ وہ اس کے ایکسپریشن پر چونکی تھی۔

”نہیں بیٹے مجھے بھوک نہیں ہے۔ اسیلے آپ شروع کرو۔ میں بعد میں کھا لوں گی۔“

مصطفیٰ کے چہرے پر مایوسی نظر آئی۔ جس نے عافیہ کو ڈسٹرب کیا۔۔۔ وہ مزید بولا۔

”کیا آپکو میرے بنائے سینڈوئچ پسند نہیں آئے؟“

پھر بولا ”اوہ میں نے بنانے سے پہلے ہاتھ نہیں دھوئے اس لئے؟؟۔ ایم سوری میں بھول گیا تھا۔ میں ابھی ہاتھ دھو کر آپکے لئے اور بنا دیتا ہوں۔“

وہ جو ہکا بکا ہو کر اتنے چھوٹے سے بچے کے منہ سے اس قدر احساس بھرا اور پیارا لہجہ سن رہی تھی۔ اتنے پیار سے تو آج تک اپنے ماں جائیوں نے بات نہیں کی تھی یہ تو اسکو جانتا تک نہ تھا۔ بے اختیار آنکھوں میں آنسو ابل پڑے مصطفیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسکو روک دیا۔ جو کہ اب پریشانی سے اس کے بہتے آنسوؤں کو دیکھ رہا تھا۔

”تمہارے بنائے سینڈوئچ بہت مزے کے لگ رہے ہیں۔ تم اپنی جگہ پر بیٹھ کر کھانا شروع کرو میں اپنے لئے دودھ نکال لوں۔ آخر چاکلیٹ کا مزا تو دودھ کے ساتھ ہی ہے ناں۔“

آنسو صاف کر کے زبردستی مسکراتے ہوئے اپنے لئے دودھ نکال کر لے آئی تینوں نے مزے لے لے کر اپنا ڈنر ختم کیا ہی تھا کہ فون کی بیل ہونے لگی۔ مصطفیٰ نے ایک نظر اسکو دیکھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر کسی دادا بابا کی طرح بولا۔ ”میں دیکھتا ہوں۔“

عافیہ کے چہرے پر بے اختیار پیاری سی مسکراہٹ آگئی۔
مصطفیٰ باہر نکل گیا۔ اور کچھ لمحوں بعد اسکی آواز آئی۔

”ہیلو یو آر سیلنگ ویڈ مسٹر مصطفیٰ ضارب، ہاؤ سے آئی ہیلپ یو۔“

عافیہ واقعی اسکے پر اعتماد لب و لہجہ کو سن کر حیران سی اٹھ کر کچن سے نکل کر اسکے پاس آئی۔
احدا سکے دوپٹے کو منہ میں ڈال کر دانتوں سے کاٹنے کی کوشش میں تھا۔ ساتھ ہی اپنی آنکھوں کو مسلتا اس کا روائی میں اس نے منہ پہ لگا چاکلیٹ عافیہ کے دوپٹے اور آستین پر بھی لگا دیا تھا۔
مگر عافیہ کو کب اپنے قیمتی سوٹ کے خراب ہونے کا کوئی صدمہ تھا جو وہ نوٹس لیتی۔

اسکی توجہ ساری مصطفیٰ کی جانب تھی۔ وہ اتنی سی عمر میں ہی اتنا سیانا اور بردبار کیسے تھا؟۔ عافیہ تو اپنی تیس سالہ زندگی بس ضائع ہی کر چکی تھی۔ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ کہ یوں وہ بھی کبھی مصطفیٰ جیسی بن سکتی

ہے جو کسی کو بتا رہا تھا۔

”پاپا ہمیں چھوڑ کر اسی وقت چلے گئے تھے“

”نہیں کھانا ہم نے کھالیا ہے۔“

”بلکہ نرس آنٹی کو تو میرے سینڈوئچ بہت پسند آئے ہیں۔“

”کیوں وہ نرس آنٹی کیوں نہیں ہیں؟“

”پاپا نے تو کہا کہ وہ نرس آنٹی ہیں“

”مگر میری ماما کی تو ڈیڑھ تھ ہو گئی تھی۔“

”یہ ماما کیسے ہو سکتی ہیں؟“

کچھ دیر تک خاموش ہو کر دوسری جانب سے آنے والی آواز کو سنتا رہا۔

عافیہ سانس روکے کھڑی تھی۔

یہ تک نہ پوچھ سکی کہ کس سے بات کر رہے ہو؟

”لیس آئی ڈو لائنک ہر۔“

”پر جو پاپا کی وائف ہوں۔ مگر آپکی برتھ مدر نہ ہوں۔ دادو وہ تو سٹیپ مدر ہوتی ہیں۔“

”تو کیا یہ میری سٹیپ مدر ہیں۔“

جیسے سٹیپ مام مووی میں سوزین سراڈون کے مرنے کے بعد جولیا رابرٹ اسکے بچوں کی سٹیپ مدر بنتی

ہے؟“

”پر دادو جولیا تو سوزین کے ہسبنڈ کی گرل فرینڈ تھی۔ کیا یہ پاپا کی گرل فرینڈ بھی ہیں؟“

”نہیں آپ فکر نہ کریں۔“

”مصطفیٰ کوئی ال مینرڈ انسان تھوڑی ہے جو نئے فیملی ممبرز کے ساتھ مس بی ہو کرے۔ لیس آپ آنٹی سے

خود بات کر لیں۔“

کہنے کے ساتھ ہی اس نے فون ساکت کھڑی عافیہ کو تھما دیا۔

احد اسکے کندھے سے ٹکریں مارتے ہوئے رونے لگا تھا۔ اس نے ڈھونڈ کر حلق سے اپنی آواز برآمد کی۔ خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے۔

”اسلام وعلیکم آنٹی۔“

اس نے احد کو بہلانے کی کوشش جاری رکھتے ہوئے سفینہ سے بات کا آغاز کیا۔

”وعلیکم اسلام میری جان“ میں بڑی شرمندہ ہوں کہ ضارب نہ تو تمہیں تمہارا سامان گاڑی سے نکال کر دیکر آیا ہے۔ نہ کھانے کا پوچھا جب اس پر کام کا بھوت سوار ہوتا ہے۔ یونہی سب کام آدھے ادھورے ہی چھوڑتا ہے۔ لو اب احد کو یھینا نیندا گئی ہے تبھی رو رہا ہے ایسا کرنا اسکی ٹانگوں کو زیتون کے تیل سے ہلکی ہلکی مالش کر کے اسکے کپڑے بدل دو ساری رات آرام سے سوتا رہے گا۔ میں بعد میں کال کرتی ہوں اوکے بیٹے اللہ حافظ۔“

ساتھ ہی لائن بے جان ہو گئی۔

اس نے رسیور میز پر رکھا۔ اور احد کو بہلاتے ہوئے اسکے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

مصطفیٰ نے پہلے رسیور کریڈل پر ڈالا پھر اسکے پیچھے ہی آگیا۔

”مصطفیٰ بھائی کے کپڑے کدھر ہوتے ہیں؟“

مصطفیٰ اسکی بھرائی ہوئی آواز پر چونکا ضرور مگر کچھ پوچھے بغیر مطلوبہ جگہ کی جانب اشارہ کر دیا۔ عافیہ کو احد کی ہر چیز وہیں رکھی مل گئی۔ حتیٰ کہ بے لوشن کریمیں پاؤں پر بے بی آئل ہلکے پھلکے کھانسی بخار کے شربت۔

اس نے احد کو وہاں موجود سنگل بیڈ جو کہ مصطفیٰ کا تھا اسی پر لٹایا کپڑے اتار کر تیل ہاتھوں کو لگا کر دھیرے دھیرے مالش کی احد مست ہو کر آوازیں نکال رہا تھا۔

جبکہ مصطفیٰ حیرت اور فکر مندی سے کھڑا عافیہ کے بہتے آنسو دیکھ رہا تھا۔ جب تک اس نے احد کو کپڑے پہنائے پٹی ریش کریم لگا کر دوبارہ سے حکیم لگایا۔ وہ پوری طرح نیند کی وادیوں میں اترنے کو تیار تھا۔ فیڈر پینے کے دوران ہی سو گیا۔ عافیہ نے اسکو کاٹ میں لٹا کر چادر اوڑھائی آنسو صاف کیے اور مصطفیٰ کی جانب توجہ کی۔

”ہاں تو یگ مین اب کیا کرتا ہے؟“

مصطفیٰ نے چونک کر اسکے چہرے کو دیکھا پھر پوچھا۔

”کیا آپ چند سیکنڈ کے لئے میرے ساتھ گارژن میں چلیں گی؟۔ پلیز۔۔۔!“

اس نے انکار نہ کیا۔

”چلو بتاؤ کس طرف جانا ہے۔۔۔“

اسکے کہنے پر مصطفیٰ آگے چل پڑا۔ کچن سے ایک دروازہ کچھلے طرف کھلتا تھا عافیہ نے دروازہ کھول دیا لائٹ بھی جلا دی۔ اور اسکے ساتھ باہر نکل آئی۔ رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔ باہر ہوکا عالم تھا۔ مصطفیٰ اسکا انتظار کئے بغیر کیاری کی جانب بھاگ گیا۔ ایک پودے کے پاس چند سیکنڈ رکا اور پھر واپس دوڑ لگا دی۔ عافیہ کے سامنے آ کر اپنا ہاتھ اسکی طرف بڑھایا تو ہاتھ میں گلاب کی ایک کٹی تھی۔

”ویلم ہوم، پری آنٹی۔۔۔“

اس نے پہلے پھول کو دیکھا پھر نیم اندھیرے میں چمکتی ہوئی مصطفیٰ کی آنکھوں کو پھول لے لیا۔

اندر آ کر دروازہ بند کر کے واپس مصطفیٰ کے کمرے میں آ گئے۔

مصطفیٰ نے دو تین دفعہ اسکا چہرہ دیکھا جو کہ مسلسل خاموش تھی۔

”آپ کو پھول اچھا نہیں لگا پری آنٹی؟“

عافیہ تھکی تھکی سی اسکے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اور بولی۔

”پھول تو کسی کو بھی برے نہیں لگتے مصطفیٰ! مگر مجھے یہ سمجھ نہیں آیا۔ آپ نے مجھے پری آنٹی کیوں

بولایا؟ حالانکہ اپنی داد سے تو آپ کہہ رہے تھے۔ کہ میں آپکی سٹیپ مام ہوں۔“

وہ جوتے اتار کر بیڈ پر اسکے برابر آ کر بیٹھ گیا۔

”آپ میری سٹیپ مام تو ہیں ہی مگر میں آپکو پری آنٹی ہی بلایا کرونگا۔ کیونکہ آپ میری پری آنٹی ہی

ہیں۔“

وہ بے اختیار ہنس پڑی۔ ”کم آن مصطفیٰ۔۔۔!! میں پریوں جیسی خوبصورت تو ہرگز نہیں ہوں۔ کہ میرا

نام ہی پری رکھ دیا جائے۔۔۔“

مصطفیٰ نے نفی کرتے ہوئے بولا۔ ”یہ نام آپکو میں نے نہیں دیا“ بلکہ دادو نے دیا ہے۔ اصل میں ایک دفعہ

دادو نے مجھے ایک مہربان پری کی کہانی سنائی تھی۔ کہ کیسے اسکے مہی پاپا کی ڈھچھ کے بعد ایک ظالم دیو نے پری کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ اور سات سال تک پری پر ظلم کرتا رہا۔ پھر ایک دن اچانک اسکو آزاد کر دیا، مگر آزاد ہونے کے بعد پری کے پاس نہ کوئی گھر تھا، نہ پیسے، نہ پیار کرنے والے بہن بھائی، نہ ہی کوئی بے بی، وہ سب کا خیال کرتی تھی۔ مگر کوئی بھی اسکا خیال نہیں کرتا تھا۔ وہ سب سے پیار کرتی۔ مگر کوئی بھی اس سے پیار نہیں کرتا۔ تب میں نے دادو سے وعدہ کیا تھا۔ کہ میں اس پری سے پیار بھی کروں گا اور اسکا خیال بھی رکھوں گا۔ اسکو گھر بنا کر دوں گا۔ اور ابھی فون پر دادو نے مجھے بتایا ہے کہ جس پری کی کہانی وہ سناتی تھیں۔ وہ آپ ہیں۔"

جب سے اس بچے سے ملی تھی۔ وہ اسے ایک کے بعد ایک بات پر مسلسل حیران کر رہا تھا۔ اس وقت اس سات سالہ بچے کو دیکھ کر نہ جانے کیونکہ یہ احساس دل و روح میں بیٹھتا چلا گیا۔ کہ یہ اسکی اتنے سالوں کی آزمائشوں کا انعام ہے۔ اسکے بولے چند جملوں نے دل پر چھائی ساری مایوسی رسوائی اور تنہائی کی جڑوں میں دراڑیں ڈال دیں۔

اس نے مصطفیٰ کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔ "مصطفیٰ تم اپنے نام کی طرح ہی اچھے ہوئے۔ اللہ تمہیں ہر بری نظر سے محروم رکھے۔ میرے سپر ہیرو ہو۔!" یہ سب اس نے دل میں سوچا زبان سے نہ کہہ پائی۔

"مصطفیٰ اب آپ سو جاؤ۔ صبح سکول بھی جانا ہوگا۔ پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئے ہو۔"

وہ اسکی بات پر اثبات میں سر ہلاتا لیٹنے لگا۔ پھر رک کر اسے پوچھا۔

"پری آنٹی آپ کہاں سوئیں گی؟"

"پاپا کے کمرے میں کہ دادو کے کمرے میں؟"

اس نے مصطفیٰ کو لیٹا کر اس پر چادر ڈالی۔ ساتھ ہی بتایا.....

"میرا کیا ہے سپر مین۔ میں ادھر تم لوگوں کے پاس ہی سو جاؤ گی۔"

مصطفیٰ ہنستے ہوئے بولا۔ "آپ نے مجھے سپر مین کیوں بولا؟۔"

عافیہ مسکرا دی "کیونکہ تم میرے چھوٹے سپر مین ہی ہو۔"

مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلایا اور بولا۔ "میں سپر مین کیسے ہو سکتا ہوں۔ سپر مین تو دوسروں کے لئے اتنا کچھ کرتا

ہے میں نے تو آپ کے لئے کچھ بھی نہیں کیا پھر کیوں سُپر میں مین؟

عافیہ مسکراتے ہوئے بولی۔ ""تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ جانتے ہو مجھے تو یاد بھی نہیں کہ میں آخری دفعہ کب مسکرائی تھی۔ اور جب سے تم سے ملی ہوں مسلسل مسکرا ہی رہی ہوں۔""

وہ اسکوٹو کتے ہوئے بولا۔ ""نہیں آپ تو روتی ہی رہی ہیں۔""

وہ ششدر رہ گئی کیا اتنی گہرائی سے میرا جائزہ لیتا رہا ہے؟

""سو جاو مصطفیٰ میرے دوست۔""

کمرے کا نائٹ بلب آن کرتے ہوئے دروازہ ہلکا سا کھلا چھوڑ کر باہر نکل آئی۔

سارے کمروں کی بتیاں جل رہی تھیں۔ عجیب سے احساس میں گہری وہ سارے گھر کا جائزہ لینے لگی پہلے اس کمرے میں آئی جو کہ مصطفیٰ کے مطابق سفینہ آنٹی کا کمرہ تھا۔ کمرے میں ایک عدد ڈبل بیڈ کے ساتھ الماری ڈرائنگ ٹیبل کے علاوہ دو بیڈروم کرسیاں پڑی تھیں۔ ہر چیز ترتیب سے اپنی جگہ جمی ہوئی تھی۔ بیڈ کی چادر جو کہ اکٹھی ہوئی پڑی تھی۔

اس نے کھینچ کر سیدھی کر دی۔ اپنے پیچھے لائٹ اور دروازہ بند کرتی دوسرے کمرے میں آ گئی۔ جس میں قدم رکھتے ہی۔ اسکا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کمرہ کا ٹھہ کباڑ کا سین بنا ہوا تھا۔ سارے فرش پر کھلونے اور ایک عدد ٹرے جس میں موجود برتن بھی سارے فرش کی سیر کر رہے تھے۔ گیلیا تولیہ پانی سے بھرے سلپہر اور بیڈ پر پڑے گندے کپڑے، کمرہ کہیں سے بھی اس گھر کا حصہ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

اسے یاد تھا۔ مصطفیٰ نے یہ ضارب کا کمرہ بتایا تھا۔

وہ خیالوں میں خود اپنے آپ سے مخاطب ہوئی۔ ""ضارب کون ہے؟ میرا شوہر، اگر یہ کمرہ اسکا ہے تو مطلب فیکٹری کی میرا بھی ہوا۔""

دل ہی دل میں وہ خود سے مخاطب تھی۔ ساتھ ساتھ نہ محسوس انداز میں چیزیں بھی سمیٹتی جا رہی تھی۔ یا یوں کہنا بہتر ہوگا۔ کہ اپنی عادت سے مجبور عادت بھی کیا اپنی اب تک کی زندگی کے حالات نے اسے ایسا بنا دیا ہوا تھا۔ اگر کہیں دو سیکنڈ فارغ بیٹھ جاتی تو لاشعوری طور پر دماغ یہ خیال رہتا کہ اب مجھے اٹھ کر کوئی کام کر لینا

چاہئے۔ اس سے پہلے کہ کوئی ڈانٹ کر رکھ دے۔ میں ایک آزاد ملک کی غلام شہری ہوں۔ میں اپنی خواہشات کی غلام ہوں نہ ہی اپنے نفس کی۔۔۔۔۔ میں بے حس لوگوں کی غلمت اور جہالت کی غلام ہوں۔۔۔۔۔ اور اس غلامی کے ان گنت سالوں بلکہ صدیوں نے میرے پیٹ کا ایندھن بھر کر مجھے سر چھپانے کو چھت دی۔ یہ الگ بات کہ اس چھت میں تحفظ، عزت اور سکون کبھی نہ ملا۔۔۔۔۔ مجھے ایک در سے دوسرے در پھینک کر در بدر کیا گیا ہے۔ میرے میں اور پالتو جانور میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں مالک کی مرضی کے غلام ہوتے ہیں۔ اپنی لامتناہی سوچ کے سلسلوں کے ساتھ ہی اس نے ضارب کا سارا کمرہ سمیٹ دیا کھلونوں والا باکس بچوں کے کمرے میں رکھا۔ برتن کچن میں۔ سارے گندے کپڑے الماری سے بھی نکال کر لائڈری میں ڈالے سٹور کی الماری سے لاکر نئی چادر بیڈ پر بچھائی۔

تکیوں کے کور بے سٹور میں ہی الماری کا ایک حصہ دھلے ہوئے تولیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پہلے باتھ روم اور کمرے کے فرش دھو کر واپس مارا پٹکھا آن کر کے گند جو کے ایک بیگ میں بھرا ساتھ لیے باہر آگئی۔ لائڈری روم میں ہی بڑا ڈسٹ بن رکھا تھا۔ گند پھینکنے آئی۔ تو نظر کپڑوں کے ڈھیر میں الجھ گئی۔

”اگر دوبارہ ہسپتال کپڑے بھیجنے پڑے ناں تو کتنا مسئلہ ہوگا؟“

یہی سوچ کر اس نے مشین میں گرم پانی کے ساتھ سرف ڈال کر آن کر دی آف وائٹ رنگ کے سارے کپڑے علیحدہ کر کے مشین میں ڈال کر وہاں سے مطمئن ہو کر کچن کا رخ کیا۔

ساری صفائی کرنے کے بعد برتن دھوئے تازہ دودھ گرم کیا۔۔۔ تھوڑی سی چاولوں کی کھیر بنائی سارے دروازے اور فریج کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ مینو ترتیب دیا۔

اگلے دو تین گھنٹوں میں جہاں کپڑے دھل گئے۔ وہیں کھانا پک کر تیار ہو گیا۔

ڈرائیئر سے کپڑوں کا آخری پراگا نکال رہی تھی۔ جب بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک پل کو خوف سے دھڑکن تھی۔

”اس وقت کون ہوگا...؟؟؟“

دستک پھر ہوئی۔ اس نے کپڑے ٹوکری میں رکھے اور لائڈری سے نکل کر بیرونی دروازے کے پاس آ کر

ڈرتے ہوئے پوچھا۔

"کون؟۔۔۔"

وہ اس وقت سیدھا سٹوڈیو سے آرہا تھا صبح کے چار بج رہے تھے اور اسکو امید نہیں تھی کہ دوسری ہی دستک پر جواب آجائے گا۔ جب پوچھا گیا کون تو اس نے جان بوجھ کر مصطفیٰ کا نام لیا۔۔۔

...مصطفیٰ دروازہ کھولو میں ہوں۔۔۔"

دوسرے ہی پل دروازہ کھل گیا۔

اندر داخل ہوتے اسکی نظر نگین آنچل پر پڑی جو تیزی سے لائڈری کی جانب جا رہا تھا۔

جب تک ضارب نے باہر والا دروازہ بند کیا آنچل لائڈری کے دروازے پیچھے گم ہو گیا۔

ضارب کے ماتھے پر الجھن کی لکیر ابھری پھر غائب ہو گئی۔

وہ بچوں کے کمرے میں آیا تو دونوں کو پرسکون حالت میں سوتا ہوا پا کر اپنی آرام گاہ کی جانب آ گیا یہ سوچ کر ہی کوفت ہوئی کہ کمرہ ابھی بھی گندہ ہونا ہے کیونکہ آج نہ ہی اماں تندرست اور گھر پہ تھیں۔ دوسرا گھر سارا دن بند رہنے کی وجہ سے صفائی والی بھی اپنا کام نہ کر پائی تھی۔ کل رات احد اور مصطفیٰ دونوں سونے سے پہلے اسکے کمرے میں گھسے ہوئے تھے۔ اور وہ دونوں جدھر بھی محفل جاتے حال تمام کر کے ہی اٹھتے۔۔۔ کمرے میں داخل ہو کر ابھی لائٹ آن نہیں کی تھی کہ انیر فریشٹر نے اعصاب پر اچھا تاثر چھوڑا۔۔۔۔ لائٹ آن کرتے ہی صاف سہرا کمرہ نظروں کے سامنے تھا۔

بھنویں اچکا کر سارے کمرے پر ایک نظر ڈالی اور بڑبڑاتا ہوا ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گیا۔

"بجاری مڈل کلاس عورت۔۔۔"

ہونٹوں پر زہر خندی مسکراہٹ تھی۔ ڈریسنگ سے باہر آیا۔ تو تن پر ایک ٹی شرٹ اور لونگ نیکر تھی۔

...چل ضارب موقع بھی ہے اور دستور بھی کیا یاد کرے گی بجاری خوش فہم عورت۔۔۔۔۔ تو آم کھا اور

اسے پیڑ گننے دے۔"

اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس نے آواز دی۔

”محترمہ عافیہ جی ذرا ادھر تشریف لائیے گا۔“

وہ دھلے ہوئے کپڑے ستور روم کے پتکھے کے نیچے پھیلا کر نکلی ہی تھی۔ جب ضارب کی آواز پر ہاتھ میں پکڑی ٹوکری چھوٹ کر فرش پر گر گئی۔

ضارب کی نظر اس پر پڑی جو ستور روم میں واپس جانے کے ارادوں میں لگ رہی تھی۔
”ادھر آؤ۔“

اب کوئی چارہ نہ تھا اس لیے آگئی۔ چار پانچ قدم کی دوری پر کھڑی رہ کر پوچھا تو نظریں جھکی ہی رہیں۔
”کھانا لگا دوں؟۔“

ضارب دروازے کے درمیان ہاتھ پشت پر باندھے کھڑا تھا۔ بڑے غور سے اس عورت کو سر سے لیکر پیروں تک دیکھا۔ جو اضطراب میں اپنی ہتھیلیاں آپس میں مسل رہی تھی۔ ضارب نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا جو کہ ٹھنڈا برف محسوس ہوا اس نے عافیہ کی ہتھیلی کھول کر دیکھا گہرا مہندی کا رنگ اس کی سفید ہتھیلی پر بھلا لگ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں لا کر دروازے کے بعد لائٹ بھی بند کر دی۔ دن چڑھ جانے تک وہ اسکے کان کے قریب جھکا اس کی سماعتوں میں اپنے سخت لہجے سے صور پھونکتا رہا۔

وہ اپنے کانپتے جسم اور آنکھوں سے بہتے گرم سیال سمیت اس کو سنتی رہی۔

”تم اس گھر میں میری بیوی نہیں، بلکہ میری ماں کی بہو بن کر آئی ہو۔ اس لیے کبھی بھول کر بھی مجھ سے کوئی توقع مت رکھنا۔ کیونکہ تمہاری حیثیت میرے نزدیک ایک خریدی ہوئی لونڈی سی ہے تم میں اور ایک عام نوکرانی میں فرق۔۔۔ صرف اتنا ہے۔ کہ تمہارے ساتھ میرا جنسی تعلق حرام نہیں ہے۔ اسکے علاوہ کوئی فرق نہیں۔ میری ماں کے پوتوں سے پیار اور ہمدردی جتنا تے وقت یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا۔ تم یہ کام مجھے منٹھی میں کرنے کے لئے نہ کرو کیونکہ میں ایسے بونگے حربوں سے متاثر ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور نہ ہی خود کو روایتی قسم کی عورت ثابت کرنا۔ میری ماں یا بچوں کو کبھی کوئی آنچ بھی آئی تو کھلوی اودھڑ لوں گا۔۔۔“

”میرے گھر میں رہو گی میرا کھاؤ گی۔ میرے نام سے پہچانی جاؤ گی۔ اس لیے کبھی اگر نفس کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤ۔ تو باہر کہیں مت دیکھنا۔ چپ چاپ اس کمرے میں آ جانا۔ میں یہی سمجھ لوں گا تمہیں تنخواہ دے رہا ہوں۔“

معصوم دل اور سہمی ہوئی روح تھر تھرا کر رہ گئی۔ ایک ہی سوچ ذہن کی سلیٹ پر چپک گئی۔۔۔ میں کوئی بازاری عورت تو نہیں ہوں۔ ایک عزت دار باپ کی بیٹی ہوں۔ اور سزا کس جرم کی کاٹ رہی ہوں؟ کیا عزت سے سر اٹھا کر جینے کا حق مجھے ہے ہی نہیں؟۔۔

آنسو بے آواز نکلنے چلے گئے اپنا مقصد پورا کرتے ہی وہ رخ پھیر کر لیٹ گیا۔ جب باہر اذانیں ہوئیں۔ کمرے میں ضارب کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے۔ جبکہ اسکو نہ نیند آئی نہ ہی اس نے سونے کی کوشش کی خود کو سمیٹ کر اٹھنا چاہا تو معلوم ہوا اسکا دوپٹہ ضارب کے نیچے تھا۔ جسکو وہیں چھوڑ کر کوئی بھی آواز پیدا کئے بغیر دروازہ بند کرتی باہر آ گئی۔

آنکھوں میں ایک دم روشنی میں آنے سے مرچیں سی چبسنے لگی تھیں۔ بیٹی ہوئی آنکھوں کو تھوڑا سا کھول کر دیکھا تو ہال میں صوفے کے قریب وہ بیگ رکھا نظر آیا۔ جو قافلہ چچی نے اسکے لئے تیار کروایا تھا۔ شکر کا سانس لیتے ہوئے بیگ پکڑ کر اماں کے کمرے میں لے آئی۔ بیڈ پر رکھ کر کھولا اور ایک سادہ سا آرام دہ سوٹ نکال کر ہاتھ روم کا رخ کیا۔ پانی کے نیچے جاتے ہی نہ جانے کتنے قیمتی آنسو لڑیوں کی صورت ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے چلے گئے۔ نہا کر نماز پڑھنے کے دوران اندر کا سارا درد اللہ کی بارگاہ میں انڈیل کر ایک دفعہ پھر پرسکون ہو گئی۔ احد کو فیڈر دیکر تھوڑا سبق پڑھنے کی نیت سے وہیں مصطفیٰ کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئی۔

اپنے دھیان سے مگن ہو کر پڑھ رہی تھی۔ جب ایک سرگود میں رکھا گیا۔ تو چونک گئی۔ وہ مصطفیٰ تھا۔ آدھا سویا آدھا جاگا۔

۔۔۔ گڈ مارنگ پری۔۔۔

وہ جو سمجھی تھی۔ کہ سفینہ آنٹی کے دھوکے میں اسکی گود میں آیا ہوگا۔ مصطفیٰ کے الفاظ پر آنکھ میں پانی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ اکٹھے آئی

۔۔۔ گڈ مورنگ ٹو یو ٹو میرے پیارے دوست۔۔۔ مصطفیٰ نے اسکا آنچل اپنے چہرے پر رگڑا۔

۔۔۔ مگر میں تو آپکا سپر ہیرو ہوں ناں تو دوست کیوں بولا؟؟؟۔۔۔

بے اختیار وہ جھکی اور اسکے ماتھے پر پیار کیا۔

”تم تو میرے سب کچھ بن گئے ہو۔ جاو شاہاش منہ دھو آؤ۔ سپارہ پڑھتے ہو؟“

مصطفیٰ اپنی جگہ پر ہی لیٹا رہا۔

”ہاں قاری صاحب پڑھانے آتے ہیں۔ اور میں پہلے پارے پر ہوں۔ قاری صاحب نے پاپا کو بتایا تھا۔ کہ مصطفیٰ بہت اچھا بچہ ہے۔ اور بڑی جلدی سارا قرآن پڑھ لے گا۔“

اس نے قرآن پر غلاف چڑھاتے ہوئے مسکرا کر اسکو دیکھا۔ ”سکول کدھر ہے گھر کے قریب یا دور؟“

مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بتایا گھر سے کافی دور ہے۔ دین والے انکل کے ساتھ جاتا ہوں۔“

عافیہ نے اسکی پیشانی پر سے بال ہٹائے۔

”سکول کتنے بجے لگتا ہے۔ اور گھر سے کتنے بجے جاتے ہو؟“

وہ دونوں دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔ تاکہ احد ڈسٹرب نہ ہو۔

”ساڑھے سات بجے سکول کی بیل ہوتی ہے۔ اور پونے سات بجے انکل لینے آتے ہیں۔“

عافیہ نے وال کلاک پر نظر ڈالی ساڑھے چھ کا ٹائم ہو چکا تھا۔

”پھر تو اٹھ کر جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ تمہارے دین والے انکل کے آنے میں تو صرف پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔ لنچ گھر سے لیکر جاتے ہو کہ سکول میں ملتا ہے۔“

باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے مصطفیٰ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”تو بہ کریں سکول سے لنچ لینے کی داد دیکھی اجازت نہیں دیتی ہیں۔ اور تو اور باہر سے سکول آف کے بعد بھی کچھ لے کر کھانے کی اجازت نہیں ہے۔ ماما تو پھر بھی اجازت دے دیا کرتی تھیں۔ پر دادو پوری ہٹلر ہیں۔“

عافیہ نے قرآن الماری کے اوپر اونچی جگہ سمجھ کر رکھ دیا۔ اور خود جلدی سے کچن میں آ کر تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے۔ ایک پراٹھا بنایا۔ سالن پہلے ہی تیار تھا۔

وہ مصطفیٰ کا ناشتہ ٹیبل پر لگا کر اب اسکے لئے جلدی جلدی میں لنچ باکس تیار کر رہی تھی۔

جب وہ سکول بیگ اٹھائے کچن میں آیا۔ تو بس جوتے پہننے باقی تھے۔ جو اس نے کرسی پر بیٹھ کر پہنے۔ پھر سنک سے ہاتھ دھو کر ناشتہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسکو بتا گیا کہ دادو لنچ باکس میں کیا کیا چیز رکھتی ہیں۔ عافیہ نے

وقت کی کمی ہونے کے باوجود دو چیز سینڈویچ کچھ انگور ایک چاکلیٹ اور دو چپس کے پیکٹ رکھ کر باکس اسکے بیگ میں رکھ دیا۔

”پیسے کتنے لیکر جاتے ہو؟“

”باہر سے چوکیدار نے آواز لگائی تھی۔“ مصطفیٰ صاحب آپکا گاڑی آگیا۔ فوراً آؤ۔“

”پیسے رہنے دیں میرے پاس ابھی ہیں۔“

اس نے اپنی جیب پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے تسلی دی اور بیگ کندھے پر ڈالنے لگا تھا۔ جب عافیہ نے پکڑا۔ اور بولی۔

”چلو آؤ میں باہر چھوڑ آتی ہوں۔“

مصطفیٰ بغیر کوئی اعتراض کئے اسکے ساتھ چل پڑا۔ باہر چوکیدار دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ جسے دیکھتے ہی مصطفیٰ نے پہلے تو سلام کیا۔ پھر تعارف بھی کروایا۔

”خان بابا ان سے ملیں یہ پری ہیں۔ پاپا کی وائیف اور میری دوست۔“

”اور پری یہ ہمارے خان بابا ہیں پیچھے کوارٹر میں ہی رہتے ہیں اپنی وائف کے ساتھ۔“

عافیہ نے سمجھتے ہوئے سلام کر دیا۔ جسکا جواب خان بابا نے بڑی گرمجوشی سے دیا۔ مصطفیٰ نے عافیہ کو ہاتھ سے خدا حافظ بولا خان بابا نے اسکا بیگ پکڑا اور گیٹ تک چھوڑنے چلے گئے۔ جب تک مصطفیٰ کی وین چلی نہ گئی وہ وہیں کھڑی رہی۔

”مجھے ہسپتال کے لئے نکلنا ہے اگر کچھ کھانے کو ہے تو دے دو نہیں تو میں آڑر کر دیتا ہوں ریسٹورنٹ سے اماں اور پھوپھو کے لئے بھی لے جاؤں گا۔“

وہ جو اپنے دھیان میں کھڑی تھی۔ اپنے اتنے قریب سے ضارب کی آواز سن کر بری طرح اچھل کر رہ گئی۔ جو نہ جانے کب آکر وہاں کھڑا ہوا تھا۔ اور اپنی بات پوری کرتے ہی پلٹ گیا۔ مگر اسکے وجود کی خوشبو عافیہ کو اپنے حصار میں لیکر چومنے لگی۔ وہ اپنی دھڑکنوں کو کنٹرول کرتی واپس کچن میں آئی مگر سمجھ نہ آیا کہ پرائٹھا کھاتے ہیں یا چپاتی بناؤں؟۔۔

اسکو کیا علم کیسا ناشتہ لیتا تھا۔ کچھ سوچ کر چپاتی ہی بنا دی ساتھ میں قیمہ مڑا اور آلو کی بھیجا تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچن میں آ کر بیٹھتا عافیہ نے کھانا ہال کے ٹیبل پر لگا دیا۔ لسی رکھ کر پلٹ رہی تھی۔ جب وہ اپنے کمرے سے نکلا اور اسے دیکھتے ہی بولا۔

”احد کو تیار کر دینا میں اپنے ساتھ ہی لیکر جاؤں گا۔“

اس نے مڑ کر دیکھا تک نہ بس اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ کھانا پیک کر کے ہر چیز پوری کرتی۔ احد کے پاس آئی جو ابھی تک سو رہا تھا۔ بیڈ کی دراز سے اسکا لباس اور دیگر چیزیں نکالنے کے بعد اس نے سوتے ہوئے کا ہی منہ گیلے کپڑے سے صاف کر کے اسکے کپڑے بدل کر تیار کر دیا۔

ضارب پہلے کھانا لیجا کر گاڑی میں رکھ آیا۔ پھر آ کر بے بی سیٹ میں سوئے ہوئے احد کو لا کر سیٹ ٹیلٹ لگانے کے بعد مڑا تو عافیہ سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ جو ایک بیگ ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ نگاہیں احد پر تھیں۔

”یہ اس بیگ میں احد کے فیڈر وغیرہ ہیں۔“

اس نے کچھ کہے بغیر اسکے ہاتھ سے بیگ پکڑ کر گاڑی میں رکھا۔ اور اگلا حکم دیا۔

”تم اندر جاؤ تاکہ میں دروازہ باہر سے لاک کر کے چابی خان کو دے جاتا ہوں۔“ مصطفیٰ کے آنے پر بابا دروازہ کھول کر اسے اندر بھیج دیں گے۔ تم تب تک نیند پوری کر لو۔ پہلے ہی اماں بیمار ہو گئی ہیں۔ میں مزید کسی کی تیمارداری کرنے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔“

عافیہ اک نظر احد پر ڈال کر واپس مڑ گئی۔ دل کو ضارب کے الفاظ سے کوئی خوش فہمی نہیں ہوئی۔ کیونکہ دل خوش فہم تھا ہی نہیں۔ اماں کے بیڈ روم میں کبل اوڑھ کر وہ جو لیٹی تو جسم و ذہن اتنا تھکا ہوا تھا۔ کب نیند کی وادی میں اتری کوئی علم نہ ہوا لہجوں میں ہی بے خبر ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ ابھی اندر آیا ہی تھا۔ اماں نے اسکے پیچھے کسی کو نہ آتے دیکھ کر فوراً پوچھا۔

”عافیہ اور مصطفیٰ کو نہیں لائے ہو؟“

اس نے احد کو پھوپھو کی طرف بڑھایا اور بولا۔

”جسکو ساتھ لایا ہوں فی الحال اسی سے کام چلائیں اور یہ بیگ میں آپ دونوں کے لئے کھانا ہے۔ آپ کھائیں میں ڈراڈاکٹر سے مل کر صورتحال جان لوں۔“

خود واپس باہر نکل گیا۔ جب تک ڈاکٹر سے بات کر کے آیا اماں لوگ کھانا کھا چکی تھیں۔ پھوپھو کے پوچھنے پر بتانے لگا کہ دس بجے کے قریب ڈاکٹر آپریشن کر کے ٹانگ میں راڈ ڈالے گا۔ باقی کا سارا وقت وہ وہیں رہا۔ بارہ بجے آپریشن کے بعد اماں کو واپس وارڈ میں منتقل کر دیا گیا۔ اب انکی تکلیف میں کمی ہوئی تھی۔ کیونکہ سارا پلاسٹر لگ چکا تھا۔ جو کہ اگلے چھ ماہ تک رہنا تھا۔

”ضارب میرے گھر سے فون پر فون آرہے ہیں بیٹا مجھے تو اب جانے دو۔“

پھوپھو کی بات پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا۔

”چلیں ٹھیک ہے۔ ابھی اماں کو چھٹی مل جانی ہے۔ انکو گھر چھوڑ کر میں آپکو بھی چھوڑ آتا ہوں۔“ فاطمہ نے فوراً اسکی نفی کی۔

”ارے نہیں اسکی ضرورت بالکل نہیں ہے۔ میرا بچہ پہلے ہی تمہاری دوڑ لگی ہوئی ہے۔ مجھے بس کوچ میں بیٹھا دو۔ آگے سے خود ہی تمہارے ماموں لوگ آکر لے جائیں گے۔“

اس نے بحث کرنی چاہی۔ تو فاطمہ نے ادھر ہی ٹوک دیا۔

”بس بس آج ماں کو گھر لے جاؤ اور تم بھی آرام کرو شکل پہ لکھا ہوا ہے۔ تمہاری نیند پوری نہیں ہوئی۔“ اس نے جمائی روکتے ہوئے چہرے پر ہاتھ مارا۔

”اصل میں کل آفس سے نکلتے نکلتے صبح کے چار بج گئے تھے۔ اس لئے۔۔۔“

فاطمہ نے اپنے قریب بیٹھے اپنے اکلوتے بھتیجے کو صدفے واری ہوتی نظروں سے دیکھتے ہوئے اسکے بالوں میں پیار سے ہاتھ پھیرا اور ماتھے پہ بوسہ کیا۔ ساتھ ہی پوچھنے لگیں۔

”عافیہ پسند آئی ہے۔“

انکے انداز پہ وہ کھل کر مسکرایا۔ آنکھوں کے سامنے اسکا روتا اور کانپتا ہوا سراپا گھوم گیا۔

”حی بولوں تو پھوپھو اس عورت میں ایسا کیا ہے جسے پسند کیا جائے؟۔ ویسے وہ ایمپریس کرنے میں

ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ مزے کی بات بتاؤ جب میں صبح گھر گیا تھا۔ خوشبو سے لگ رہا تھا۔ جیسے کھانا بنایا گیا ہے۔ ساتھ ہی کپڑے دھونے کے آثار بھی نظر آئے۔ اور سب سے بڑا شاک میرا کمرہ صاف کیا گیا ہوا تھا۔۔۔ پھوپھو اور سفینہ کے چہرے پہ نظر آنے والے تاثرات دیکھ کر اس نے قہقہہ مارا۔

”جی میں بی بی اپنی پوری کوشش سے میدان میں کودی ہے۔ بچوں کے ساتھ بھی بڑی اچھائی کی جارہی ہے۔ اب آپ دونوں مجھے گھورتا بند کریں اور پہلی فرست میں اپنی جیتنی کو سمجھائیے گا کہ بی بی ضارب سیال ایک مرد ہے۔ کوئی گھامزن نہیں جس کے دل کا راستہ معدے سے گزرتا ہو۔ اس لئے اپنی انرجی ضائع نہ کرے ابھی تو بغیر تنخواہ کے نہ جانے کب تک خد متکار بن کر رہے گی۔“

سفینہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

”اگر تمہارے دل میں اس معصوم کے لئے جگہ نہیں بنی تھی تو یہ قدم اٹھایا ہی کیوں؟۔“

اسنے بالوں کو ہاتھ سے سیٹ کیا اور مزے سے بولا ”آپ نے میری ساری راہیں بند کی ہوئی تھیں۔ جب دیکھو ایک ہی بات شادی کر لو اور شادی کے نام پر ہر دفعہ ایک ہی نام عافیہ صاحبہ۔۔۔۔۔۔ اچھا چھوڑیں یہ باتیں پھوپھو میں گاڑی قریب لاتا ہوں آپ سامان دیدیں تو نیچے رکھ آؤ۔“

پھر اس نے باری باری سارا سامان گاڑی تک پہنچایا۔ لٹچ بھی باہر سے ہی پیک کروا کر لے آیا۔ احد نے حسب عادت فاطمہ اور ضارب کی خوب دوڑ لگوائی۔ وہ بھاگ بھاگ کر سفینہ کی طرف ہی جانا چاہتا۔ جو اسکو اٹھانے کی پوزیشن میں بالکل نہیں تھیں۔

شکر کیا جب ڈاکٹر نے چھٹی دی۔ اماں کو وہیل چیئر پر ہی گاڑی تک لایا تھا۔ راستے میں فاطمہ نے بہت اصرار کیا کہ ضارب انہیں کوچ میں بیٹھا کر ہی گھر جائے مگر وہ بھی انہی کا بھتیجا تھا۔ سیدھا گھر ہی لایا۔

”فلر کیوں کرتی ہیں؟۔“

”انشا اللہ۔۔۔ آج کی تاریخ میں ہی آپ اپنے گھر ہوں گی۔“

ہار کر انہوں نے بھی کہنا بند کر دیا۔

☆.....☆.....☆

وہ جوں سوئی کوئی ہوش ہی نہ رہا۔ مصطفیٰ نے نرم نرم ہاتھوں سے اسکو کندھے سے ہلاتے ہوئے آواز دی۔ تو وہ اک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کچھ لمحے تو اجنبی جگہ کو سمجھنے میں لگے۔ پھر یونہی شرمندہ سی بیڈ سے اتر آئی۔

... مصطفیٰ تم کب آئے؟ کیا میں اتنی دیر سوتی رہی ہوں۔

مصطفیٰ نے اپنے جوتے اتارتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں کچھ زیادہ دیر نہیں سوئی ہیں۔ کیونکہ میں ابھی ابھی ہی آیا ہوں۔“

اس نے دوپٹہ کھول کر اوڑھا۔ اور بولی۔

”چلو منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا نکال دیتی ہوں۔“

پھر یاد آیا کہ کھانا تو اس نے ابھی بنایا ہی نہیں۔ تو مزید شرمندگی ہوئی۔ کیونکہ بھابھی تو گیارہ بجے سے ہی کھانا تیار کروا کر رکھ دیتیں تھیں۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر پلو سے چہرہ صاف کرتی کچن میں آگئی۔ فریج کھول کر جائزہ لینے پر دو مولیاں رکھی نظر آئیں۔ جنہیں نکال کر اسی وقت کدو کش کر کے پراٹھا بنا کر ساتھ میں اورنج جوس سے گلاس بھر کر ٹیبل پر رکھا ہی تھا۔ کہ مصطفیٰ یونین فارم بدل کر آ گیا۔

... مصطفیٰ جان تم کھانا کھاؤ اور میں نماز پڑھ لوں قضا ہو رہی ہے۔

مصطفیٰ کے سر ہلانے پر وہ کچن سے نکل آئی۔ وضو کر کے نماز پڑھ کر واپس کچن میں ہی آئی۔ اور حیران کی حیران رہ گئی۔ مصطفیٰ میز پر خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا اور روٹی ویسی کی ویسی دھری تھی۔

... مصطفیٰ بیٹا کھانا کیوں نہیں کھایا؟

اس نے چونک کر سر اٹھایا اور عافیہ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

”پری میں آپکا انتظار کر رہا تھا۔ آجائیں ساتھ میں کھانا کھاتے ہیں۔“

ایک طرف یہ پیارے دل والا معصوم بچہ تھا۔ جو ایک اجنبی عورت کو اتنی عزت اور اہمیت دے رہا تھا۔ کہ خواہ مخواہ میں عافیہ کو اپنا وجود بہت اہم لگنے لگتا۔ مگر ساتھ ہی ضارب سیال کے الفاظ سماعت میں جا گئے۔

”تمہاری حیثیت اس گھر میں خرید کر لائی لوٹدی سے زیادہ نہیں ہے۔“

ایک یہ سات سال کا بچہ تھا۔ جس سے ملے ہوئے چوبیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے۔ اور وہ اس کے انتظار

میں کھانے سے ہاتھ روک کر بیٹھا ہوا تھا۔ اور ایک اسکاماں جایا بھی اسی دنیا میں ہی تھا۔ جس نے کبھی جھوٹے منہ یہ نہ پوچھا تھا۔ کہ بہن میرے گھر میں کولہو کے تیل کی طرح دن رات جتی رہتی ہو کبھی دو گھڑی رک کر سانس بھی لیا؟۔۔۔

آنکھوں کی نمی چھپانے کیلئے سنک کی جانب بڑھ گئی۔ اور جھوٹ بولا۔

”میں نے کھانا کھالیا ہوا ہے۔ مصطفیٰ جان یہ بس آپ کے لئے ہے آپ کھاؤ۔“

”اور میں آپ کی داد دے کے لئے کھانا بنا لوں۔“ مصطفیٰ کے چہرے پر مایوسی کے آثار دیکھ کر اسے مزید دھچکا لگا۔ تو فوراً بولی۔

”ہاں البتہ جس پینے میں تمہارا ساتھ ضرور دوں گی۔“

اپنے لیے جوس کا گلاس نکال کر پینے لگی۔ پہلا سپ لیتے ہی اک سوال ذہن میں آیا۔ کھانا کب کا کھایا ہوا ہے؟ وہی جو کل رات کو مصطفیٰ کے بنے ہوئے سینڈویچ کھائے تھے؟۔

مصطفیٰ نے کھانا ختم کیا۔ اور کتابیں لے کر بیٹھ گیا۔ مگر رہا کچن میں ہی جہاں پر وہ اپنے ماہر ہاتھ چلاتے ہوئے کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ جب تک وہ فارغ ہوئی مصطفیٰ کا قاری سپارہ پڑھانے آ گیا۔ مصطفیٰ وضو کر کے ڈرائنگ روم میں گیا۔ تو عافیہ نے ایک گلاس میں جوس اور ساتھ میں کھیر کی ایک پیالی ٹرے میں رکھ کر اندر قاری صاحب کو دی۔

یہاں بھی مصطفیٰ نے خوش ہوتے ہوئے فٹ سے تعارف کروا دیا۔

وہ عصر پڑھ رہی تھی۔ جب گاڑی کے ہارن کی آواز آئی تھوڑی دیر بعد ہی احد کے اُونچا اُونچا رونے اور فاطمہ کے بولنے کی آوازیں گھر میں گونجیں۔

وہ دعا آدھی ادھوری چھوڑ باہر آئی۔

”اسلام علیکم چچی۔“

فاطمہ نے خوش دلی سے اسکی صبح پیشانی پر بوسہ لیا۔ ”وعلیکم اسلام جیتی رہو!۔۔۔“

”اور بھی سنبھالو اپنے بیٹے کو اف یہ تو کتنی کا ناچ نچانے والوں میں سے ہوگا۔ اتنی سی عمر میں اسکا یہ عالم

ہے۔ کیا مجال ہے۔ جو دو سیکنڈ بھی زبان منہ میں کی ہو سارا رستہ روتا ہوا ہی آیا ہے۔۔۔

جسکی شان میں فاطمہ یہ قصیدے پڑھ رہی تھیں۔ وہ عافیہ کی گود میں آتے ہی آنکھیں مسلتا جھکے ہوئے انداز میں اس کے کندھے سے سر مارتے ہوئے مچلنے لگا۔ مگر رونے میں کمی ہو گئی۔ فاطمہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
عافیہ اسے ساتھ لگائے اسکے کمرے میں لے گئی۔ مٹی کے ساتھ ساتھ کپڑے بدلنے سے پہلے اسکو بے بی آئل کی مدد سے ناگوں پر ہلکی ہلکی مالش کی۔ پھر ڈھیلی ڈھالی سی شلوار قمیض ڈال کر باہر لائی۔ فیڈر بنا کر دیا۔ جسے ختم کرتے ہی احد صاحب مست مگن ہو گئے۔ احد کو وا کر میں ڈال کر سیدھی سفینہ کے کمرے میں آئی۔ ایک دفعہ پھر سلام میں پہل کی۔

”اسلام و علیکم آنٹی سوری میں احد کے کپڑے بدلنے لگ گئی تھی۔“

سفینہ کو ضارب بیڈ پر بیٹھا چکا تھا۔ ناگ کے نیچے تکیہ رکھتے ہوئے اس نے اک پل کو عافیہ پر نظر ڈالی جو پشیمان سی دروازے کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔

”ارے ادھر آؤ۔۔۔۔ میری جان سوری والی تو کوئی بات ہی نہیں کیوں شرمندہ کر رہی ہو۔۔۔۔“

سفینہ کے اشارے پر وہ اگلے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ سفینہ نے بھی فاطمہ کی طرح اسکے ماتھے پر پیار کیا۔
ضارب آنکھیں گھماتا ہوا دواؤں والا بیگ کھول کر بتانے لگا۔ کوئی گولی درد کے لئے لینی ہے۔ اور کوئی زخم بھرنے کے لئے کام آتی ہے۔

سفینہ سے زیادہ عافیہ نے ساری ہدایات غور سے سنی تھیں۔

ضارب نے دواؤں والا بیگ وہیں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور خود کمرے سے نکل گیا۔

اُس کے جاتے ہی عافیہ نے سکون کا سانس لیتے ہوئے چارج سنبھال لیا۔ دوائیں ایک دفعہ کھول کر ساری روٹین ذہن میں دھرانے کے بعد دروازے میں ڈال دیں۔ پھر اماں سے پوچھا۔

”آنٹی آپ کے لئے کھانا لاؤں؟۔۔۔“

سفینہ نے غور سے اسکو دیکھا۔ ایک دفعہ پھر اپنے قریب آ کر بیٹھنے کا بولا۔ وہ آگئی تو شفقت کے ساتھ مخاطب ہوئیں۔

”آئی نہیں۔ اب میں تمہاری بھی اماں ہوں۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے بیٹی کہ میں تمہیں اس گھر میں دیکھ کر کتنی خوش ہوں۔۔۔ میرے اجداد اور مصطفیٰ کے لئے تو یہ حادثہ رحمت بن کر آیا ہے۔ عام حالات میں ضارب جیسا اونٹ کبھی قابو نہ آتا۔“

اندر آتے ہوئے وہ ماں کی آخری بات سن چکا تھا۔ اسلئے گھوری سمیت بولا۔

”اماں اب مجھے اس شک میں مبتلا نہ کریں۔ کہ آپ اس عورت کو میری زندگی میں لانے کی خاطر اپنی جان سے کھیل گئیں۔“

سفینہ نے ملامت بھری نظروں سے دیکھتے اسے کہا۔۔۔ ”کبھی تو سوچ سمجھ کر بول لیا کرو۔“

”میری بات غور سے سنو کسی دن ایک چھوٹا سا فنکشن رکھ لو۔ اپنے چچا لوگ اور مصطفیٰ کے ننھیال والوں سے سب کو بلا لینا تاکہ سب کو تمہارے نکاح کا علم ہو جائے۔“

اپنے موبائل کی سکرین پر دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے ساتھ تیزی سے ٹائپ کرتے ہوئے اس نے اک نظر ماں کو دیکھا۔

”آپ بھی نہ ایسے بول رہی ہیں۔ جیسے میں نے نکاح نہیں کیا بلکہ کوئی نیا ملک فتح کر لیا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کسی پارٹی کی اور نہ ہی میرے پاس وقت ہے۔“

تب ہی باہر فون کی بیل ہوئی۔ تو وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔

سفینہ نے عافیہ کے ہاتھ پر اپنا تسلی بھرا ہاتھ رکھا۔ ”اس کی باتوں کو محسوس نہ کرنا۔“

عافیہ بولی کچھ نہیں پر دل میں ضرور سوچا کہ اگر میں اسکی باتوں کو محسوس کر بھی لوں تو میرے پاس آپشن کیا ہے؟

سفینہ اس سے مزید ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

فاطمہ تھوڑی دیر کر سیدھی کرنے کو دوسرے کمرے میں لیٹ گئیں تھیں۔ مصطفیٰ دھیرے دھیرے انکا سر دباتے ہوئے اپنے سکول کے قصے سنار ہاتھا۔ ضارب نے دروازے میں ہی کھڑے ہو کر فاطمہ کو مخاطب کیا۔

”پھوپھو امتیاز کا فون تھا۔ کہہ رہا ہے رابعہ کو لاہور لے آیا ہے۔ آپ بھی تیار ہو جائیں۔ ہم بھی چلتے

ہیں۔" وہ اتنا کہہ کر اپنے کمرے میں تیار ہونے کی نیت سے بڑھ گیا۔

فاطمہ بھی اسی پل بستر سے بڑھاتے ہوئے نکل آئیں۔

"اسکی طبیعت خراب تھی۔ تبھی میرے دل کو بے سکونی لگی ہوئی تھی۔"

سفینہ نے تسلی دی۔ "آپا کیوں فکر مند ہوتی ہیں۔ اللہ نے کیا تو سب خیر خیریت سے ہو جائے گا۔ ڈاکٹر بھی اعتبار والی ہے۔ مصطفیٰ کی دفعہ فارحہ کا کیس بھی اسی نے کیا تھا۔"

انکی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ ضارب بالوں کو تو لیے سے رگڑتا ہوا منہ پھلا کر ماں کے سامنے تھا۔
"اماں ہزار دفعہ کہہ چکا ہوں۔ میرے کپڑے دھو بی کے پاس بھیجنے دیا کریں۔ اب میں کیا پہن کر جاؤں؟ ایک بھی سوٹ استری شدہ نہیں۔"

سفینہ سے پہلے فاطمہ بول اٹھیں۔ "استری نہیں ہیں تو ہو جاتے ہیں۔ اتنا شور کیوں ڈالتے ہو ماں پہ سارا رعب لگتا ہے۔ کبھی بیوی سے تو اس طرح سوال نہ کیا تھا۔"
کمرے میں محسوس کی جانے والی خاموشی چھا گئی۔

"اسکا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ بچاری اب زعمہ بھی نہیں۔ تو آپ بھی نہ انرجی ضائع کریں۔ اور اٹھ کر ایک سوٹ استری کر کے دیں۔"

کہنے کے ساتھ موقع دیئے بغیر فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ عافیہ احد کے ساتھ مصروف تھی۔ جو کے تھوڑی سی وا کر چلا کر کبھی اس کے قریب آتا کبھی دور بھاگ جاتا اور جب سمجھتا کہ عافیہ اسے پکڑنے میں ناکام ہوئی ہے تو تالیاں بجا کر ہنسنے لگتا۔

فاطمہ فارغ ہو کر واپس آئیں تو عافیہ نے کھانے کا پوچھا۔

"نہ بچے دو پہر کو کافی بھوک لگی تھی۔ تب خوب پیٹ بھر کر کھالیا۔ ابھی تک بھوک کا ذرا احساس نہیں ہوا۔ بس اچھی سی لالچائی والی چائے پلا دو جب تک تمہارا میاں تیار ہو جاتا ہے۔ ورنہ وہ تو چائے بھی نہیں پینے دے گا۔"

عافیہ فوراً کچن کی جانب بڑھ گئی۔ مگر ہوا وہی جو فاطمہ کہہ چکی تھیں۔ وہ تیار ہونے کے بعد کمرے سے نکلا تو

ایک پل کو رکھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

عافیہ نے چائے تھر مس میں ڈال کر ساتھ میں فریج میں رکھا ایک بھی پیک کر کے دے دیا۔

ایک لمحے کو دل سہا بھی کہ کہیں اماں نہ کہہ دیں کیا ضرورت تھی۔ ساتھ میں ایک دینے کی اسکی پہلی ساس ایسی ہی تھیں۔

جبکہ عافیہ کا ہاتھ شروع سے کھلا تھا۔ نہ کم ناپا جاتا نہ دیا جاتا۔ اسکو یہ یاد نہیں تھا۔ کہ تب کس کلاس میں پڑھتی تھی۔ پر ایک دن امی ابوالے گھر پر دادی کے پاس چھوڑ کر کسی فوننگی پر گئے تھے۔ اسکا رونا بند کرنے کے لئے انہوں نے اسکو پچاس روپے دیئے۔ ابھی صرف پانچ روپے کی چیزیں لی تھیں۔

جب گلی میں اپنی دوستوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔ ایک مانگنے والا آیا۔ جس کی کہانی نبجانے فرضی تھی۔ یا اصل مگر عافیہ کا دل بھرا آیا ہاتھ میں پکڑے پیسوں میں سے پہلے دس روپے اس آدمی کو دیئے جنہیں لیکر وہ آگے چل پڑا۔ پھر اس نے آواز دیکر اسے روکا اور بیس روپے اور دے دیئے اپنے پاس صرف پندرہ رہ گئے۔ جب مانگنے والا چلا گیا۔ تو دل میں افسوس جاگا۔ کہ کیا تھا۔ جو سارے پیسے مانگنے والے کو ہی دے دیتی۔ یہ افسوس اگلے کئی ماہ تک اسکے ساتھ رہا تھا۔

کھانا اور دوا وغیرہ لینے کے بعد سفینہ سو گئی تھیں۔ احد بھی کل کی نسبت آج آٹھ بجے ہی سو گیا۔ وہ کچن سمیٹ کر نکلی۔ تو مصطفیٰ ٹی وی کے آگے بیٹھ کر اپنے باپ کا لائیو آٹا شو دیکھنے میں اس قدر گرم تھا۔ جیسے ساری دنیا میں اس سے اچھا اور ضروری اور کوئی کام نہ رہ گیا ہو۔

وہ بھی آکر خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اب وہ ہر جانب دیکھ رہی تھی سوائے ٹی وی سکرین کے جسے وہ صرف تب دیکھتی جب ضارب کی بجائے کوئی اور بول یا نظر آ رہا ہوتا۔

دس بجے تک یہ سلسلہ چلتا رہا شو کے ختم ہوتے ہی مصطفیٰ ہوش میں آتے ہی خود سے بولا
”مائے فادر از آفریننگ چینیس۔“

اسکی بات سن کر عافیہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ مصطفیٰ پوچھنے لگا۔

”پری آپ بتائیں۔ آپکو میرے پاپا کیسے آدمی لگتے ہیں؟“

مصطفیٰ کے سوال پر عافیہ کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ پھر بولی۔ "سچ بتاؤں یا کہ جھوٹ؟؟۔"

اس کے سوال پر مصطفیٰ کھل کر انجوائے کرتا ہوا بولا "سچ بتائیں سچ ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔"

عافیہ اسکی بات سے متاثر ہوتے ہوئے بولی۔ "یہ بات ہے۔ تو سنو مجھے ضارب صاحب ایک خوفناک

خونخوار اور انتہائی زہریلے آدمی لگتے ہیں۔ ان کا بولا ہر لفظ طنز میں ڈوبا تیر ہی ہوتا ہے۔"

دو تین سیکنڈ تک مصطفیٰ پوری کی پوری آنکھیں پھاڑے اسکو حیرت سے دیکھتا رہا۔

پھر ٹھاٹھا کر کے ہنستا چلا گیا۔

مصطفیٰ کو بیڈ میں ڈال کر اس نے خود نماز پڑھی پھر سفینہ کے کمرے میں ہی آگئی۔

جنہیں جاگتے ہوئے پایا اسکو دیکھتے ہی بولیں۔

"عافی بیٹا ذرا ضارب کو فون کر کے راجہ کی طبیعت کا تو پوچھو ہو سکے تو اس سے کہنا قاطعہ سے بات

کروادے۔ تو تفصیل سے پوچھ لینا۔"

عافیہ کا یہ سوچ کر ہی بی بی لوہو نے لگا۔ براہ راست ضارب سے بات کرنی ہے۔ فوراً بولی۔

"آپ کا موبائل لادیتی ہوں۔ اماں آپ خود پوچھ لیں۔"

سفینہ نے نفی کی۔ "میرے فون میں بیلنس نہیں ہے۔"

گھر والے نمبر سے ہی کرو۔ نمبر فون بک میں ہی لکھا ہوا ہے۔"

مرتا کیا نہ کرتا کے مترادف سیٹنگ اڑیا میں رکھے فون شیڈ تک آئی۔ بک اٹھا کر دیکھنے لگی پہلے ہی صفحے پر

ضارب سیال کا نمبر درج تھا۔ مگر انگلیاں وہ نمبر ٹائپ کرنے سے مکمل انکاری تھیں۔ پھر ایک خیال آیا کہ کیوں

نہ امتیاز بھائی سے ہی پوچھ لوں۔ اللہ کا شکر کر کے نمبر ملایا۔ تیسری بیل پر دوسری طرف سے آنے والی آواز پر وہ

ہکلا کر رہ گئی۔

"ہیلو۔"

وہ یقیناً ضارب ہی تھا۔ کیونکہ امتیاز بھائی کی عادت اور آواز سے وہ واقف تھی۔ وہ اکھڑا اور وٹا مار لہجے میں

ہرگز بات نہیں کرتے تھے۔

دوسری جانب وہ جان گیا تھا۔ فون گھر کے نمبر سے آیا ہے۔ اماں تو فون تک آنے سے رہیں۔ تارا اتنی لمبی ہے نہیں کہ اندر اماں کے کمرے تک جاتی۔"

دماغ میں ساری کیلکولیشن کرنے کے بعد وہ جان گیا تھا کہ دوسری طرف وہی ہے۔ تبھی آواز کو بارعب بناتے ہوئے غصے سے پوچھا۔

"تم نے فون بات کرنے کے لئے کیا ہے؟۔ یا مجھے بل پڑوانے کے لئے۔۔!!۔۔"

عافیہ کی ہتھیلیوں میں پسینہ آ گیا۔ جی چاہا فون بند کر دے پر ہمت کر کے پوچھا۔

"کیا یہ امتیاز بھائی کا نمبر ہے۔"

دوسری طرف سے لٹھ مار جواب آیا۔ "کیا تمہیں نہیں علم کے تم نے کس کا نمبر ملایا تھا؟۔۔"

اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "وہ اماں پوچھ رہی ہیں۔ رابعہ بھابی کی طبیعت کیسی ہے؟۔۔۔" اس نے جواب دینے کی بجائے نیا سوال کر دیا۔

"کیا اماں نے بولا تھا۔ تم امتیاز کو فون کر کے پوچھو؟۔۔"

عافیہ کا جی چاہا اپنا سر ہی پیٹ لے کونسا لمحہ تھا جب کال ملائی۔

"انہوں نے کہا تھا۔ آپکو کال کروں۔" سچ کہنا ہی پڑا۔

"تو پھر تم نے میری بجائے اس کا نمبر کیوں ملایا؟؟؟۔۔"

کاش کوئی جادو کی چھڑی ہوتی تو وہ اسی لمحے خود کو دنیا سے ہی غائب کر لیتی۔ خاموشی زیادہ لمبی ہوتی جاری تھی۔۔ عافیہ کی آنکھوں میں بے بسی سے آنسو آ گئے۔ ملتی لہجے میں بولی۔

"پلیز بتا دیں۔ رابعہ بھابی کیسی ہیں۔ ڈاکٹر کیا کہتی ہے؟۔۔"

جواب میں وہ بڑے تحمل سے بولا۔ "تم نے امتیاز کو کال کی ہے۔ وہ باہر میڈیکل سٹور تک گیا ہوا ہے۔ دس منٹ بعد فون کر کے پوچھ لینا۔ تب تک وہ آ جائے گا۔"

ساتھ ہی لائن بے جان ہو گئی۔

کس قدر عجیب اور مشکل آدمی ہے۔ وہ واپس سفینہ کے پاس آئی۔ ساری بات بتا دی۔ اور کیا کرتی؟

سفینہ اسکی رونی صورت دیکھ کر ہستے ہوئے بولیں۔

’جاؤ دوبارہ کال کرو۔ اس دفعہ امتیاز کو مت کرنا بلکہ ڈائریکٹ اپنے شوہر کو کرو۔‘
اس نے نفی میں سر ہلایا۔

’میں انہیں کال نہیں کرونگی۔ اماں مجھے ان سے ڈر لگتا ہے بات بھی ایسے کرتے ہیں۔ جیسے کچا چبا جائیں گے۔‘

سفینہ نے اپنی مسکراہٹ چھپائی بیٹے کی تو رگ رگ سے واقف تھیں۔ اور بہو کو یہ سب ابھی سمجھنے میں دیر لگنی تھی۔ اس وقت میں انہیں عافیہ کا بھرپور ساتھ دینا تھا۔
’میں کہہ رہی ہوں ناں۔ وہ کرو جاؤ شاباش۔‘

وہ بے دلی سے پھر باہر آئی کاپی سے دیکھ کر نمبر ملایا۔ بیل جاتی رہی جاتی رہی جب اسکو امید ہوئی کہ وہ نہیں اٹھائے گا۔ اس کی آواز آئی۔

’اگر یوں اس حساب سے اماں کا ہر حکم مان کر چلوگی۔ عافیہ بی بی تو زندگی بڑا خوار کرے گی۔ کیونکہ ہیں تو وہ تمہاری ساس ہی۔۔۔‘

ضارب کی اتنی لمبی بات کے جواب میں اس نے پہلا فقرہ دہرا دیا۔
’اماں کہہ رہی ہیں۔ رابعہ بھابی کی طبیعت اب کیسی ہے؟۔۔۔‘
جب وہ بولنے لگا تو عافیہ نے سوچا کاش خاموش ہی رہتا۔

اماں بھی نا کمال عورت ہیں۔ ایک بیٹے کی ماں ہیں۔ دو پوتوں کی ڈلیوری کے وقت وہاں بہو کیساتھ موجود تھیں۔ مگر پھر بھی یہ عورتیں یوں ریمیکٹ کرتی ہیں۔ جیسے ہیومن برتھ پر اس سے بالکل ہی لاعلم ہیں یہی وجہ ہے۔ ڈاکٹر لوگ انکو پھٹی لگا جاتی ہیں۔ اچھا بھلا نارمل کیس اٹھا کر سیزیرین کر دیتی ہیں۔ تاکہ بل زیادہ بنالیں اس کے بدلے میں ماں یا بچے پر کیا بیٹے انکی بلا سے۔۔۔‘

عافیہ چپ ایسے کے کبھی زندگی میں نہ بولی ہوگی۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔
’ان سے کہو رابعہ ابھی لیبر روم میں ہے۔ پھوپھو بھی ادھر ہی ہیں۔ جب بھی کوئی خبر ملی خود ہی فون کر کے بتا

دونگا۔۔۔۔۔ لائن ایک دفعہ پھر بے جان ہو گئی۔

اس نے آکر سفینہ کو بتایا۔ ساتھ ہی پوچھا۔۔۔ "اماں آپکو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟۔۔۔"۔
سفینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ذرا ایک درد کی گولی دے دو۔ درد کی وجہ سے خیند بھی نہیں آرہی ہے۔۔۔"

اس نے دراز میں سے گولی نکال کر دی ساتھ پانی کا گلاس دیا۔ اماں گولی لینے کے بعد واپس لیٹ گئیں۔
اسے بھی بولا۔

"تم خود بھی سو جاؤ کل سے بھاگ دوڑ ہی کر رہی ہو۔ اچھے مطلبی وقت پر تمہیں لائی ہوں۔ اپنی خدمتیں
کروانے کے لئے۔۔۔"

اس نے شرمندگی سے ان کی طرف دیکھا۔ بولی

"آپ جانتی ہیں۔ میری حیثیت کیا تھی۔ اور اب آپ نے کیا بنا دی ہے۔"

سفینہ نے فوراً اسکو ٹوکا۔ "میرے بچے ایسے نہیں کہتے۔ تم تو اتنی اچھی بچی ہو۔ یہ تو ضارب نہیں مانتا
تھا۔ نہیں تو میں کب کی تمہیں بیاہ کر اس گھر میں لے آئی ہوتی۔۔۔"

عافیہ نے انکے اوپر پڑا کیبل درست کیا اور اپنے تاثرات چھپاتے ہوئے بولی

"اماں اگر وہ کہیں اور شادی کرنا چاہتے تھے۔ تو آپکو انہیں اس رشتے کے لئے مجبور نہیں کرنا چاہئے تھا۔"
سفینہ نے غور سے اسے دیکھا پھر بتانے لگیں۔

"میں نے ایک دفعہ اسکو یہ حق دیکر نتیجہ دیکھ ہی نہیں لیا۔ بلکہ بھگت بھی چکی ہوں۔ فارحہ سے شادی اس نے
اپنی مرضی سے کی تھی۔ میں نے بھی اسکی خوشی کو مد نظر رکھتے ہوئے بڑے چاؤ سے فارحہ کے لاڈ اٹھانے چاہے
تھے۔ مگر اسکو مطلب رہا تو صرف ضارب کی ذات سے باقی ایک ماں تو دور کی بات۔ اسکو اپنے بچوں تک کا
وجود برداشت نہ تھا۔ انکی شادی کو ابھی ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا۔ جب فارحہ کو مصطفیٰ کی خوشخبری مل گئی۔ ماں بننے
کا کیا علم ہوا۔ اس نے تورؤ تورؤ کر سارا گھر سرپراٹھا لیا۔۔۔ کیونکہ وہ بچے چاہتی ہی نہ تھی۔ اس کے مطابق وہ
صرف تیس سال کی عمر میں ہی بچے پیدا کر کے بڑھی مانی نہیں بننا چاہتی تھی۔ ابھی اس نے کورس کرنے کے لئے

امریکہ کی یونیورسٹی میں داخلہ لینا تھا۔ کرر بنانا تھا۔ بچوں کا اسکے فیوچر پلان میں کوئی حصہ تھا۔ نہ ذکر۔۔۔۔۔ یہ تو ضارب نے نہ جانے کیا جھوٹ سچ مار کر اسکو راضی کیا۔ جو بھی تھا۔ دونوں کو تب ایک دوسرے سے محبت تو تھی۔۔۔۔۔ اور یہ تو مجھے بہت بعد میں علم ہوا۔ ضارب سے شادی اس نے کی ہی اسلئے تھی۔ وہ اکلوتا ہے۔ شادی سے پہلے ہی ضارب سے وعدہ لے چکی تھی۔ کبھی بچوں کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ میرا پاگل بیٹا سوچ رہا تھا۔ شادی کے بعد خود ہی فارحہ کی سوچ بدل جائے گی۔ بھلا کون انسان بچے نہیں چاہتا۔ مگر وہ اللہ کی بندی نہیں بدلی۔۔۔۔۔ مصطفیٰ کو اس نے ایک دن بھی اپنے سینے سے نہیں لگایا۔ وہ تین ہفتوں کا تھا۔ جب اسکو میری جھولی میں ڈال کر خود امریکہ کوئی کورس کرنے چلی گئی تھی۔ وہاں سے فون پر شوہر کے ساتھ ہر وقت رابطہ رہتا۔ مگر بیٹا کسی گنتی میں نہیں تھا۔ تین چار سال تک تو اس نے مصطفیٰ کو اپنے قریب پھٹکنے تک نہیں دیا۔ بعد میں نہ جانے کیا ہوا۔ خود ہی اسکو کبھی ہوا تو پارک یا اپنی ماں کی طرف لے جاتی۔ ہاں بنک میں آفسر بہت بڑی بن گئی۔ قید و بند اسے نہ پسند تھے۔ نہ اس نے برداشت کئے۔ نہ ہی ہم نے اسکو اسکی مرضی کے خلاف چلایا۔

”بیٹی مصطفیٰ کی پیدائش کے بعد سے وہ مسلسل پرہیزی دوائیں لیتی رہی کہ کہیں دوبارہ سے بچے کی الجھن نہ پڑ جائے۔ مگر انسان آخر ہے تو انسان ہی نہ رہتا تو نہیں بن سکتا۔ دوائیں لینے کے دوران ہی احد ہونے والا ہو گیا۔ ایک دفعہ پھر وہی سین تیس سال کی عمر میں بھی وہ میں بائیس کی لگتی تھی۔ بیٹی احد کی مرتبہ ضارب نے آکر مجھے بتا دیا۔ اس دفعہ کام اس کے بس کا نہیں اگر ماں تم اس عورت کو اسکے ارادوں سے باز رکھ سکتی ہو تو روک لو ورنہ وہ ہسپتال کی اپالکٹنٹ لے چکی تھی۔ میں نے اپنا دوپٹہ تک اسکے قدموں میں رکھ دیا۔ وہ مانی تو اس شرط پر کہ بچہ پیدا کرنے کے بعد ضارب اسے طلاق دے دیگا۔ کیونکہ اسکو امریکہ کے ایک بہت بڑے بنک سے نوکری کی آفر آئی ہوئی تھی۔ ضارب چاہتا تھا۔ وہ نوکری کرنا اب بند کر کے گھر کو وقت دے۔ مگر فارحہ بھی اپنی جگہ درست تھی۔ اپنی ساری جوانی لگا کر اس نے اپنی فیلڈ میں اپنا نام بنایا تھا۔ اب یہ چاہتا تھا۔ وہ گھر بیٹھ جائے۔ جبکہ اس کے اندر یہ جراثیم سرے سے موجود ہی نہ تھے۔ احد جب ہونے والا تھا اس دوران وہ اپنے والدین کے گھر ہی رہی ضارب سے پوری طرح ناراضی تھی۔ اس بچاری کا شاید وقت ہی ایسے لکھا تھا۔ عمر ہی اتنی لکھوا کر لائی تھی۔۔۔۔۔ احد پیدا ہوا ہے۔ ساتھ ہی اسکو ہیوی بلیڈنگ شروع ہو گئی۔ اچھی بھلی ہنستی بولتی اندر گئی تھی۔ ہمیشہ کے

لئے خاموش ہو کر واپس آ گئی۔ مجھے اس کا دکھ بہت ہے بیٹی میرے بچے نے دن دیکھا نہ رات اپنی ازدواجی زندگی کا بھرم رکھنے میں اپنے حق تک سے منہ موڑ لیا۔ شاید اللہ پاک کو اسکی یہی بات پسند آ گئی جو اس کا یوں بھرم رہ گیا۔ ورنہ شادی کے آٹھ سال بعد اس نے آزادی مانگ کر اسے بڑا دکھی کر دیا تھا۔ اللہ اسکی بخشش کریں۔ وہ بری بالکل نہیں تھی۔ بس اسکی سوچ جدا تھی۔“

سفینہ نے اپنے آنسو آنچل میں سمیٹے۔ عافیہ کا ششدر ذہن ان سب پزل کے پیسوں کو اکٹھا کر کے پوری تصویر بنانے میں مصروف تھا۔ سفینہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولیں۔

”عافی ان دونوں بچوں نے نہ تو ماں کے وجود کو محسوس کیا ہے۔ نہ پیار ہی دیکھا ہے۔ میں نے مصطفیٰ کی ابتدائی تربیت بڑی با اصول کی ہے تم اسکی شخصیت میں کوئی کسی قسم کا احساس محرومی ڈھونڈنے سے بھی نہ تلاش کر پاؤ گی۔ وہ صرف میری گود سے واقف ہیں۔ تم انکو اپنا سمجھو گی، پیار دو گی، تو یقین مانوں وہ تمہیں تمہارا پیار دو گنا کر کے لوٹائیں گے۔ وہ ایسی نرم مٹی ہیں۔ جسے جس ساخت میں ڈھالو گی۔ ڈھل جائیں گے۔ یہی سمجھنا کہ یہ تمہاری اپنی اولاد ہیں۔ ضارب اگر تمہارے ساتھ نامناسب رویہ رکھے بھی تو اسکی سزا بچوں کو مت دینا۔ اپنے سے دور مت کرنا۔ عافی میری جان آج تک تم نے اپنی زندگی میں جو تکلیف اور مشقت اٹھائی ہے۔ سمجھو اللہ نے دنیا میں ہی اسکا انعام دے دیا۔“

عافیہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اماں کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ اور انکا سر ہانا درست کرتے ہوئے۔ انہیں آرام کرنے کا مشورہ دیا۔

سفینہ آنکھیں بند کر کے لیٹ گئیں۔ اور اسکو دعا دیتے ہوئے بولیں۔
”اللہ تمہیں خوش رکھے۔ جیتی رہو۔“

مین لائٹ بند کر کے نائٹ بلب جلا کر دروازہ ہلکا سا بند کرتی ہوئی سٹور روم میں آ گئی۔ سب کا ایک ایک سوٹ استری کر کے بیگر پر ڈالنے کے بعد اماں اور بچوں کے تو دھیں رہنے دیئے۔ جبکہ ضارب کا لیجا کر اسکی الماری میں رکھ دیا۔ ایک دفعہ احد اور مصطفیٰ پر نظر ڈال کر واپس اماں کے کمرے میں آ کر انکے بیڈ پر ہی دوسری جانب چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔

سوتے میں اماں کی آواز نے ہوش کی دنیا میں واپس پنچا جو کہہ رہی تھیں۔

’جانتے ہوناں کہ عافی سوری ہے۔ پھر جان بوجھ کر یوں اٹھک پنچ کیوں کر رہے ہو؟۔‘

اس نے دراز اور زور سے بند کی۔ اور بولا

”آپ اسکو یہاں اپنے پہلو میں سلانے کے لئے لائی ہیں۔ یا گھر کے کاموں کے لئے؟“

’کیا فائدہ اسکا؟۔ گرج کے چار بجے میں نے ہی آپکو چائے بنا کر دی ہے۔‘

اسکی آواز اتنی اونچی تھی۔ قبر کے مردے بھی اٹھ کر بیٹھ جاتے۔ اور کہتے بھائی تو بول لے ہمارے آرام کی خیر ہے۔ وہ تو پھر بڑی کچی نیند سوتی تھی۔ سوتے میں بھی دوپٹہ سر اور سینے پر اسی طرح لپٹا ہوا تھا۔ جیسے جاگتے میں رہتا۔ ڈھیٹ بن کر اس سے مزید لیٹنا نہ رہا گیا۔ تو اٹھ کر بیٹھ گئی

’لو آگیا اب سکون پنچی کی نیند خراب کر دی۔‘

سفینہ کے ملامت کرنے پر ضارب نے فقط ایک اچھتی سی نظر اس پر ڈالی۔ اور واپس مٹھائی کے ڈبے پر جھکتے ہوئے چڑانے کو بولا۔

”اماں آپ بھی بس کمال ہی کرتی ہیں۔ اچھی خاصی عمر کی عورت کو پنچی کہہ رہی ہیں۔“

سفینہ نے اس کے کندھے پر ایک ہاتھ جڑا وہ بیٹھا بھی تو انکے قریب ہی ہوا تھا اور جتاتے ہوئے بولیں۔

”کتنی عمر ہے اسکی جو تم یوں اچھی خاصی عمر پر زور دیکر جتا رہے ہو۔ تم سے تین سال چھوٹی ہی ہے۔ اور ماؤں کے لئے تو اولاد بوڑھی بھی ہو جائے پنچی ہی رہتی ہے۔“

عافیہ کچھ بھی کہے بغیر واش روم کی جانب بڑھ گئی

سفینہ چائے کے ساتھ مٹھائی لیتے ہوئے مسلسل ضارب سے باتوں میں مصروف تھیں۔

”یہ تمہارا کافی کا دوسرا کپ ہے ارادے تو نیک ہیں ناں؟۔ رات بھر نہیں سوئے ہو۔ اب کیا دن کو بھی جاگنا ہے؟؟۔“

اس نے سہ لیا۔ اور بولا ”کچھ ایسا ہی سمجھ لیں۔ اپنی ٹیم کے ساتھ فیصل آباد جا رہا ہوں۔ فکر نہ کریں ہسپتال میں دو تین گھنٹے کی نیند لے لی تھی۔ اور انشا اللہ رات سے پہلے واپس آ جاؤں گا۔“

سفینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور بولیں۔ "چلو اگر جانا ضروری ہے۔ تو خیریت سے جاؤ مگر دیکھو گاڑی خود نہ چلانا۔۔۔ اس نے مسکرتی نظروں سے ماں کو دیکھا۔ اور بولا۔ "میں جانتا تھا۔ یہ ہدایت ضرور ہونی ہے۔ آپ کی تسلی کے لئے بتا دوں۔ اپنی گاڑی لیکر ہی نہیں جا رہا ہوں۔ ٹیم کے ساتھ انکی وین میں ہی جاؤنگا۔ تاکہ راستے میں تھوڑی آنکھ لگا سکوں۔"

عافیہ وضو کر کے نکلی تھی۔ سفینہ نے خوشخبری سنائی۔ "عافی مبارک ہو۔ تمہاری بھتیجی آئی ہے۔ آؤ منہ میٹھا کرو۔ ہم ماں بیٹا تو آدھی رات کو ہی پارٹی کر رہے ہیں۔"

عافیہ کو خوشی ہوئی۔ بے اختیار منہ سے ماشا اللہ نکلا اور بولی

"آپکو بھی مبارک ہو۔ رابعہ بھابی اور بچی تو ٹھیک ہیں ناں؟۔۔"

سفینہ نے مٹھائی اسکی طرف بڑھائی تھی۔ اس لئے اس نے ایک گلاب جامن کا آدھا پیس اٹھالیا۔ اس بات سے بے خبر کے وہ ضارب کا جوٹھا تھا۔

"ہاں خیر سے دونوں ٹھیک ہیں۔ کیس نارمل ہو گیا ہے۔ اسلیے ڈاکٹر نے اسی وقت چھٹی دے دی۔ ضارب ان کو روانہ کر کے ہی آیا ہے"

سفینہ تفصیل بتانے لگیں۔ ضارب اس دوران اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ تو سفینہ نے عافیہ کو مخاطب کیا۔

"جاؤ ذرا اسکے کپڑے وغیرہ دیکھ لو۔ پھر سے شور نہ کرے۔ اسکو ابھی فیصل آباد کے لئے نکلتا ہے۔"

عافیہ جی اچھا کہہ کر وہاں سے چل تو پڑی مگر نہ تو ضارب کے کمرے میں داخل ہونے کی جرات ہوئی۔ نہ ہی دستک دینے کی۔ تو وہیں کھڑی رہی۔ دروازے کے باہر۔

چند منٹ بعد ایک دم دروازہ کھلا اور وہ ٹھٹھک کر ادھر ہی رک گیا۔

آنکھوں میں حیرت اور حقارت تھی۔ مگر جس کے لئے تھی۔ اس نے تو نظر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔۔۔۔ جب وہ بولا تو آواز دھیمی اور سرد تھی۔

"ویسے کتنا اچھا طریقہ ہے۔ دوسروں کی ضرورتوں کا خیال کر کے انکی زندگی میں اپنی جگہ بنانا۔ مگر یاد رکھنا اصل مقام کسی کے دل میں جگہ بنانا ہے۔ اور فارچوٹیلی دل کی دنیا میں مکر و فریب کا میاب نہیں ہوتے۔ ایک

بات تو بتاؤ؟ تم نے اپنے شوہر سے طلاق مانگ کر لی تھی۔ یا اس نے رحم کھا کر دی تھی؟

وہ وہاں ویسے ہی نظریں جھکا کر خاموش کھڑی رہی۔ تو وہ بولا۔

”چلو نہ بولو دیکھتے ہیں۔ آخر کب تک یہ خاموشی کا دور چلتا ہے۔“

وہ اسے وہیں کھڑا چھوڑ کر سٹور روم میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد استری کا سوئچ آن ہونے کی آواز آئی۔ وہ مرے ہوئے قدموں سے سٹور کے دروازے تک آئی۔ اور ہمت کر کے آفر کی۔

”مم میں آپ کے لئے کھانے کو کچھ لا دوں؟۔“

استری کرتے ضارب کے ہاتھ اک پل کو تھمے۔ اور دوبارہ مصروف ہو گئے۔ اور بولا۔

”عافیہ بی بی مجھے اپنے کام کرنے کی عادت بہت پرانی ہے۔ اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ جاو یہاں سے۔“

عافیہ نے اپنے منہ پر بڑا انگڑا تھپڑ محسوس کیا تھا۔ شام میں وہ اپنے کام زبردستی قاطمہ سے کروار ہا تھا۔ اور اسکو یوں دھککا دیا۔ وہ اماں کے کمرے میں واپس جانے کی بجائے بچوں کے کمرے میں آگنی نماز پڑھ کر سبق میں دھیان دیا۔ تاکہ ضارب کی باتیں اور ضارب کا خیال ذہن سے نکل جائیں۔ مگر ذہن میں مسلسل چلنے والے سوال اگلا سارا دن کپڑوں کا اتنا بڑا ڈھیر جو اس گھر میں آتے ہی پہلی رات کو دھویا تھا۔ اسے استری کرتے ادا کا خیال کرتے۔ اماں کی واش روم وغیرہ کے لئے بدد کرتے۔ یہ خیال ذہن سے چمٹ کر رہ گیا۔ آخر زندگی کا یہ کونسا موڑ ہے اور آگے کدھر کو جائے گی۔؟؟۔

اگلے آنے والے کئی دن ضارب کی تیز طنزیہ نظروں اور زہریلے لفظوں سے بچنے کی کوشش میں آنکھ پھولی کھیلتے گزر گئے۔

اس نے اپنے آپ کو بچوں میں پوری طرح گمن کر لیا۔ تاکہ کوئی اور خیال ذہن و دل تک رسائی ہی نہ کر سکے۔ ویک اینڈ پر قاطمہ کا فون آگیا۔ پوتے کا حقیقہ اور ختمیں وغیرہ ایک ہی دن کر رہی ہیں۔ سفینہ سمیت سب گھر والے شریک ہوں۔ اسی سلسلے میں گھر پر بحث چل رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹا سیٹنگ اڑیا میں موجود تھے۔ سفینہ وہیل چیئر پر تھیں۔ ضارب پھسکڑا مار کر صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ آدھی توجہ ہاتھ میں پکڑے فون کی طرف تھی۔ تو آدھی ماں کی طرف۔ جو کے کہہ رہی تھیں۔

"تم سن بھی رہے ہو کہ میں نے کیا کہا ہے؟۔۔۔"

فون سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"کچی میں اماں آپ کو یہ لگتا ہے؟ میں اس کا ہاتھ تھام کر بازاروں میں خوار ہونے جاؤں گا؟۔۔ سفینہ نے بھی کوئی ادھار نہ رکھا۔ اور بولیں۔

"فارحہ کے ساتھ تو بڑے شوق سے جاتے تھے"

اس نے شکوہ کناں نظروں سے ماں کو دیکھا۔ اور بولا۔ "اس کے ساتھ اس لیے جاتا تھا۔ کیونکہ وہ میری بیوی تھی۔ اسکو اپنی کہی بات منوانی آتی تھی۔ وہ کوئی کاٹھ کا لونہیں تھی۔ اماں وہ ایک کھری اور ڈٹ جانے والی عورت تھی۔ آئندہ ایسا مقابلہ نہ ہی کیجیے گا تو بہتر ہوگا"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور وہاں سے چلا گیا۔

سفینہ غصے سے اسکو جاتا دیکھتی رہیں۔ وہ جیسے گیا تھا۔ ویسے ہی واپس آیا۔

"یہ لیں پیسے رکھیں۔ میں ایک لڑکی کو فون کر دیتا ہوں وہ اسکو اپنی بہن کی بوتیک پر لے جائے گی۔ اسکا سالون بھی ہے تو ایک ہی چھت کے نیچے آپ کے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اس سے زیادہ مجھ سے امید نہ رکھیے گا۔۔"

☆.....☆.....☆

اتوار کی صبح وہ ناشتہ بنا رہی تھی۔ ادا بھی سو رہا تھا۔ اور مصطفیٰ اس کے پاس کچن میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ جبکہ ضارب اماں کے کمرے میں آدھا سویا آدھا جاگا موجود تھا۔ جب باہر دروازے پر تیل ہوئی۔ تو وہی دیکھنے گیا۔ واپسی پر ایک نوجوان لڑکی اسکے ساتھ تھی۔ جسے وہ سیدھا اماں کے پاس ہی لایا۔ تعارف دیتے ہوئے بولا۔ "اماں یہ مائرہ ہے۔ جسکا میں نے کل آپ کو بتایا تھا۔ میری میک اپ آرٹسٹ کی چھوٹی بہن ہے یہی عافیہ کو شاپنگ پر لے جائے گی۔"

اس نے ماں کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے اپیل بھی کی کہ خدا را کوئی اعتراض مت ڈھونڈنا۔ سفینہ نے مائرہ کا حال احوال پوچھنے کے بعد انٹرویو لینے کے ساتھ ساتھ اپنی تمام خواہشات گنوا دیں کہ عافیہ کے لیے کس

قسم کی شاپنگ کرنی ہوگی اور ساتھ میں اسکا آج ڈے پارٹی کے لحاظ سے میک اپ بھی کر دیا جائے۔۔۔
وہ چولہے کے آگے کھڑی پراٹھے پر تیل لگا رہی تھی جب اچانک افتاد آنے پر بوکھلا سی گئی۔۔۔ مائرہ زور سے گلے ملی۔ اور بولی۔

’ہائے اللہ آپ تو اتنی کیوٹ سی ہیں۔ تبھی ضارب بھائی نے یوں آپ کو سب سے چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ چلیں آپ میرے ساتھ اور بند کریں یہ چولہا۔“

وہ ہکا بکاسی اسکی شکل دیکھتی رہ گئی جس نے خود ہی چولہا بند بھی کر دیا اور اسے لیکر کچن سے نکل رہی تھی جب وہ اپنا بازو چھڑواتے ہوئے بولی۔۔۔

”پلیز آپ باہر اماں کے پاس بیٹھے ناشتہ بالکل تیار ہے۔ پہلے ناشتہ کریں۔ پھر کوئی اور بات کرتے ہیں۔“

ساتھ ہی مصطفیٰ کو ہدایت دی۔

”مصطفیٰ جان جاؤ آنٹی کو دادو کے پاس لے جاؤ۔ میں کھانا لگاتی ہوں۔

مائرہ یک ٹک اسکے چہرے کو دیکھتی رہی۔ پھر مصطفیٰ سے مخاطب ہوئی۔

’پارٹنر کیسا لگتا ہے؟ جب اتنا پینڈم دھانسو ابا ہو۔ اور اتنی کیوٹ معصوم سی اماں ہو۔“

مصطفیٰ کھل کر مسکرایا تھا مگر بولا

”آپ بھی میرے ساتھ ادھر ہی بیٹھ جائیں۔ کیونکہ پری قیے والے پراٹھے بنا رہی ہیں۔ اور آپ سمجھ لیں کہ آپ کبھی بھی وہ مس کرنا نہیں چاہیں گی۔

مصطفیٰ کے کہنے پر مائرہ تو فوراً اس کے برابر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ جبکہ عافیہ نے گردن موڑ کر غار ہوتی نظروں سے مصطفیٰ کو دیکھا۔ اور کھانا لگانے لگی۔ قیے والے پراٹھوں کے ساتھ لسی رائیہ اچار اور پودینے کی چٹنی تھی۔ جسکے ساتھ سب سے زیادہ انصاف ضارب اور مائرہ نے ہی کیا تھا۔ کھانے کے فوراً بعد اس نے چائے دی۔ چائے پیتے ہی مائرہ نے اسے مزید کوئی مہلت نہیں دی۔ اور ساتھ لیکر فرار ہو گئی۔

چائے کے برتن بھی اماں نے ضارب سے کہہ کر کچن میں رکھوائے۔ وہ برتن رکھ کر پلٹا تو اگلا حکم کر دیا۔

”احد اب کسی بھی وقت اٹھنے والا ہے۔ جلدی سے اسکا فیڈر وغیرہ تیار کرلو۔۔۔!!“

اس نے نظریں گھمائیں۔ اور بولا

”قارگاڈ سیک اماں میں اسکی عیسیٰ ہرگز نہیں بدلوں گا۔ آپ نے اسے کیوں نہیں کہا کہ وہ جانے سے پہلے یہ سب کر کے جاتی۔“

سفینہ نے حیرت سے اپنے ہونہار سپوت کو گھورا۔ کیوں؟ وہی کیوں کرے یہ سب تمہیں کیا مسئلہ ہے؟۔
تم کیوں نہیں کر سکتے؟۔“

ضارب کے ہونٹوں پر بڑی کمینی سی مسکراہٹ آئی۔ اور ماں کو تپانے کے لئے کہا۔

”کیونکہ ابھی جو ڈیڑھ لاکھ دیکر بھیجا ہے۔ وہ مفت کی روٹیاں توڑنے کے لئے تو نہیں دیا۔ بچوں کی مپیاں بدلنے کا ایڈوانس چیک دیا ہے۔“

سفینہ حیرت کی زیادتی کے تحت صدمے کا شکار ہوئیں۔ اور بڑی سنجیدگی سے گویا ہوئیں۔

”اگر تو یہ مذاق تھا ضارب۔ تو بچوں کے سامنے ایسا گھٹیا مذاق آئندہ کبھی مت کرنا۔“

ماں کی سنجیدگی دیکھ کر اسکی مسکراہٹ ہنسی میں بدل گئی۔ فوراً بولا۔ ”اماں یہ مذاق ہرگز نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں اپنی حق حلال کی کمائی یوں بلاوجہ کی چیرائی میں دینا پسند کرتا ہوں۔“

سفینہ کو غصہ آیا۔ ”میں اس سارے عرصے میں خاموشی سے تمہارے طور طریقے دیکھ رہی ہوں۔ اور بڑی اچھی

طرح جانتی ہوں کہ تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ یہ یاد رکھنا اپنے سب اندازوں میں تم جھوٹے ثابت

ہونے والے ہو پر عافی کے ساتھ اپنا رویہ انسانوں والا رکھو، اب اگر شادی کر لی ہے۔ تو اسے اچھے سے نبھاؤ۔“

اس نے ماں کی ساری بات سن کر بڑی سنجیدگی سے انکی نظروں میں گہرائی تک دیکھا۔ پھر کہنے لگا۔

”اماں بزدل لوگ نہ تو مجھے اچھے لگتے ہیں۔ نہ ہی اٹریکٹ کرتے ہیں۔ اور یہ عورت انتہا کی بزدل پلس

چالاک ہے۔ اور جہاں تک رہی۔ اس نکاح کی بات ضرورت تھی کر لیا۔ مگر شادی میں اپنی مرضی کی عورت سے

کروں گا۔ یہ تو آپ کو بہلانے کے لئے کھلونا لایا ہوں۔“

اینڈ پر اپنی بات کو خود ہی انجوائے کرتا ہوا زور سے ہنسا۔ تب ہی مصطفیٰ اندر آ کر بتانے لگا۔

"پاپا ادا اٹھ گیا ہے۔ اور پری کو ڈھونڈ رہا ہے۔ میں نے اسکو اسکے کاٹ سے نکلنے میں مدد کی ہے۔ ابھی اپنا فیڈر پکڑے دروازے کے پاس کھڑا ہے۔"

وہ چونک کر مصطفیٰ کی جانب مڑا اور زبان پر آنے والے سوال کو دبا کر اسکے پیچھے باہر آیا۔
 ادا اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑا ہو کر۔ کچن کی جانب امید بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
 ابھی وہ چلتا نہیں تھا۔ کھڑا بھی سہارے سے ہوتا۔ ضارب مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ اسکو گود میں اٹھانا چاہا۔ جواب میں ادا نے پر جوش احتجاج کرتے ہوئے۔ اس کی گود میں آنے سے انکار کر دیا۔ بلکہ ہاتھ میں پکڑے فیڈر سے ضارب کو مارنے کی کوشش کی۔

"اوئے میرے ڈنڈے۔ کبھی تو اچھے موڈ میں ملا کر دو۔ اٹھتے ہی سر قلم کرنے کو تیار ہوتے ہو۔"
 ادا نے پھولے ہوئے منہ سے باپ کی بات سنی۔ پھر نیچے بیٹھ کر رینگتا ہوا کچن کے کھلے دروازے کے درمیان جا کر بیٹھ گیا۔ اندر غور سے دیکھنے کے بعد سیکر پھاڑ کر رونا شروع ہو گیا۔
 سارا ماجرہ ضارب کی سمجھ میں نہ آیا۔ تو مصطفیٰ سے مدد لی۔ "یہ ڈھونڈ کیا رہا ہے؟"
 مصطفیٰ نے ایک نظر باپ کو دیکھا۔ اور بولا۔ "بتایا تو ہے کہ پری کو ڈھونڈ رہا ہے۔"
 ضارب کی خاک سمجھ میں آیا۔ پوچھا۔ "پری کون؟"
 مصطفیٰ نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "پاپا یا پری آپکی وائیف اور کون۔"
 ضارب نے چونک کر بیٹے سے پوچھا۔ "تمہیں کس نے کہا کہ میری وائیف ہے۔"
 مصطفیٰ نے باپ پر ایسی نظر ڈالی جیسے اسکی دماغی حالت پر شبہ گزرا ہو۔
 "دادو نے بتایا تھا۔ اور کون بتائے گا۔"

وہ با آواز بلند بڑبڑایا۔ "ایک تو یہ دادو بھی نہ...!!"
 "سنو اس عورت کا نام عافیہ بی بی ہے پری وری نہیں۔"
 مصطفیٰ نے باپ کی جھنجھلاہٹ پر غور ہی نہ کیا۔ بڑے تحمل سے بولا۔
 "ہاں مجھے علم ہے۔ یہ تو میں نے انکا نک نیم رکھا ہے۔ جیسے وہ مجھے مصطفیٰ جان کہتی ہیں۔ میں انکو پری

جان کہتا ہوں۔"

ضارب نے آگے بڑھ کر غصے سے احد کو اسکے ہزار احتجاج کے باوجود گود میں لیا۔

حد ہو گئی ہے۔ یعنی ڈیڑھ ہفتے میں ہی یہ عورت میری اولاد کو ششے میں اتار چکی ہے۔ اور ماں تو میری پہلے ہی فدا تھیں۔ او آئی سو ہیٹ چپ پیپل۔"

احد کو اس نے جذبات میں آ کر اٹھا تو لیا ہی تھا۔ مگر اگلے دو گھنٹوں کے دوران اس چھٹانک بھر کے بچے نے اپنے باپ کو چھٹی کا دودھ یاد کروا دیا۔ جب تک مائرہ اسکو چھوڑ کر گئی۔ ضارب کی برداشت کا گراف وے آؤٹ آف کنٹرول جا چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

مائرہ کی ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ تھی۔ اس لئے وہ عافیہ کے بہت اصرار کے باوجود اندر نہ آنے کی معذرت کرتی۔ اسے گیٹ پر ہی ڈراپ کر کے چلی گئی۔

عافیہ نے حالانکہ چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ مگر پھر بھی جھجک رہی تھی۔ ابھی اسکو بچوں کو بھی تیار کرنا تھا۔ اس نے تو بہت کہا کہ کپڑے وغیرہ لیجا کر۔ خود ہی گھر پر تیار ہو لے گی۔ مگر مائرہ اور اسکی بہن کو اماں کی طرف سے خاص ہدایت نامہ ملا تھا۔ ڈے ٹائم فنکشن کے لئے میک اپ کروا کر اسکو پوری طرح تیار کر کے آنے دیا جائے۔

ابھی اس نے بلیو اور سکن امتزاج کا ہلکے مگر انتہائی نفیس کام والا لونگ گاؤن ٹائپ شرٹ پہنا ہوا تھا۔ بال کھلے چھوڑ کر پر منگ کی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں چوڑیاں۔ پیروں میں چھوٹی سی ہیل۔ مگر سب سے بڑی تبدیلی میک اپ تھا۔ وہ اپنی آج تک کی ہوش مند زندگی میں پہلی دفعہ یوں تیار ہوئی ہوگی۔"

اماں کے کہے کے مطابق دو چار بھاری۔ مگر باقی گھر میں پہنے والے کپڑے بھی مائرہ لوگوں نے اپنی مرضی سے لیکر دیئے تھے۔ جبکہ اس نے اپنی مرضی سے مصطفیٰ، احد اور اماں کے لئے شاپنگ کی تھی۔ بچوں کی چیزیں لیتے ہوئے آنکھیں بار بار بھیکتی رہیں۔

سارا سامان اٹھائے گیٹ بجایا۔ خان بابا اسکو دیکھتے ہی شروع ہو گئے۔

"شکر ہے بیگم صاحب آپ آگئیں۔"

”چھوٹا بابا نے صاحب کو بہت تنگ کر دیا ہے۔ صاحب بڑے غصے میں اسکو لئے گھوم رہا ہے۔ جلدی سے اندر جائیں۔“

اسکے قدموں میں خود بخود تیزی آگئی۔ ہال کے دروازے سے داخل ہوتے ہی احد کے رونے کی آواز کانوں میں پڑی۔ ہاتھ میں پکڑے سارے بیگ وہیں دروازے کے پاس پھینک کر اندر کی جانب گئی۔ جدھر سے احد کے رونے کی آواز آرہی تھی۔

ضارب کے کمرے میں سارے کھلونے بکھرے پڑے تھے۔ ٹی وی پر کوئی کارٹون مووی لگا کر احد کی توجہ اس طرف کرنے کے لئے آواز اچھی خاصی اونچی کر رکھی تھی۔ پر احد اسی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ جیسے دنیا میں اس سے اچھا اور کوئی کام نہ رہا ہو۔ عافیہ پر نظر پڑتے ہی ضارب نے غصے سے لب بھینچ لئے۔۔۔ اور انتہا کی سردنگا ہوں سے اسکو دیکھا کہ عافیہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سر دلہر دوڑتی محسوس ہوئی پر وہ رکی نہیں آگے بڑھ کر ضارب کی گود سے احد کو لے لیا۔

”اے میرا شہزادہ بیٹا۔ ماں صدمے جاتے۔!! اتار دتے ہیں؟؟“
 احد کو گود میں لے کر والہانہ اسکو پیار کرتے ہوئے۔ وہ سب کچھ بھول چکی تھی۔
 اپنا روپ سجا سنورا سراپا، ضارب کا غصہ، اسکی گھورتی نگاہیں، اسکو یاد رہا، تو احد اور اسکی رورو کے سوجی ہوئی آنکھیں، اسکا ہچکیاں لیتا ہوا وجود۔ اسکے چہرے، ہاتھوں اور سر پر بو سے لیتے ہوئے۔ اسکو اپنے لگا تار گرتے ہوئے آنسوؤں کا احساس تک نہ ہوا۔

احد اسکی آواز سنتے ہی چابی کے کھلونے جیسے چپ کر گیا۔ بار بار شک سے اسکے میک اپ لگے چہرے کو دیکھتا۔ مگر جب وہ بولتی تو اسکے ساتھ لگ جاتا۔ احد کو شک سے نکالنے کے لئے اس نے ایک دفعہ بھی نہ سوچا تھا۔ اسکو گود میں لئے ہی واش روم میں جا کر منہ دھولیا۔

جب اس نے تویلے کے ساتھ چہرہ خشک کرنے کے بعد بھری ہوئی آنکھوں سے احد کو دیکھ کر۔ ”چا کا کا“ کہا تو پہلی مرتبہ احد مسکرایا۔ تویلے میں اپنے آنسو اچھی طرح جذب کر لینے کے بعد اس نے احد کا بھی منہ دھویا اور واش روم سے باہر آگئی۔ ٹی وی بند ہو چکا تھا۔ اب ہر طرف خاموشی اور سکوت تھا۔ ضارب بھی منظر سے

غائب ہو چکا تھا۔

عافیہ نے دل ہی دل میں شکر کا سانس لیا۔ بیڈ پر رکھا احد کا فیڈر پکڑا اور اماں کے کمرے میں آگئی۔ جہاں دادی پوتا پریشان سی شکلیں بنائے بیٹھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی کھل اٹھے۔۔۔ مصطفیٰ فوراً بولا۔

”تھینکس ٹو اللہ کہ پری آپ آگئی ہیں۔ ورنہ آج تو خیر نہیں تھی۔ اس احد کے بچے نے پاپا کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اور مجھے نہیں لگتا کہ اب اسکی وجہ سے وہ ہم لوگوں کو فاطمہ دادو کے شہر اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔۔۔“
مصطفیٰ اسکو مطلع کر رہا تھا۔ سفینہ نے حیرت سے سر تاپا اسکا جائزہ لیا اور بے ساختہ پوچھا تھا۔

”بیوٹی پارلر نہیں گئی ہو؟۔۔۔“

اس نے اک نظر ان پر ڈالی۔ پیروں میں پڑے جوتے اتارے۔ اور بیڈ پر بیٹھ کر احد کے منہ میں فیڈر دیا۔ ساتھ ہی رونا بھی نئے سرے سے شروع کر دیا۔ سفینہ نے فکر مندی سے پوچھا۔
”کیا ضارب نے کچھ کہہ دیا ہے؟؟۔۔۔“

ایک ہاتھ سے آنسو پوچھتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ مگر آنسو رکنے کی بجائے بھل بھل بہہ رہے تھے۔
”تو رو کیوں رہی ہو؟؟۔۔۔“

چادر کے پلو سے ناک صاف کر کے پہلے رونے کی وجہ سے سرخ ہوتی ناک کو مزید ٹماثر رنگ کرتے ہوئے بولی۔ ”مجھے کیا علم تھا۔ احد اتار دئے گا۔ میں ہر گز بھی ماترہ کے ساتھ نہ جاتی۔ زندگی میں جو انسان مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتا ہے۔ میں نے اسکو ہی اتار دیا۔ بلکہ مجھے پتا ہی کب تھا۔ کہ کوئی مجھ بد نصیب سے بھی پیار کرتا ہوگا۔ مجھے تو آج تک یہی لگا ہے۔ میں ہوں ہی بہت بد صورت، کمینہ اور بد سیرت کہ کسی بھی رشتے کو کسی بھی انسان کو میرے اندر کوئی اچھی بات نظر ہی نہیں آتی۔ جو وہ مجھے کسی قابل سمجھے۔ پر اماں آپ گواہ ہیں ناں یہ چھوٹا سا بچہ صرف میرے لئے رویا ہے۔ اگر آئندہ کبھی میں اسکے بغیر کہیں جاؤ تو مجھے کالے چور سے مار مار بیگا۔ اصل مجھے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ مجھے کپڑوں کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ایویں میں آپکا اتنا خرچہ کروا دیا۔ حالانکہ مجھے اپنا منخوس سایہ لیکر وہاں امتیاز بھائی کی بیوی اور بیٹے کو ملنے جانا ہی نہیں چاہئے۔ فضول میں میری بھابھی مجھے وہاں دیکھ کر کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑ دے گی۔ تو بھلا میں کیا کر لوں گی؟ میری کوئی اس شہر کے ساتھ اچھی یادیں جڑی

سے پہلے کہ کچھ بہت ہی الٹا سیدھا بول جاتا۔ سارے گارڈن کا چکر لگا کر وہاں سے ایک عدد امرود توڑ کر کھانے کے بعد گھر میں واپس آیا تھا۔

’راہنزل راہنزل لیٹ ڈاؤن یور ہیر۔۔۔!!!‘

ایک آواز تو کلیئر لی وہ پہچان سکتا تھا۔ مصطفیٰ کی تھی۔ دوسری کو جاننے کی خاطر اسکے قدم بے اختیار سٹور روم کی طرف گئے۔ احد کو گود میں ہی اٹھائے۔ وہ اور مصطفیٰ ٹیبل پر پڑے کپڑوں کو اٹھاٹھا کر ہوا میں اچھالنے کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر اچھلتے ہوئے ایک کی لائن کو دہرائے جا رہے تھے۔ راہنزل راہنزل لیٹ ڈاؤن یور ہیر۔ تینوں ہی ضارب کی وہاں موجودگی سے لاعلم رہے۔ احد کی کلکاریاں سن کر ضارب کو غصہ آیا۔ یہ وہی بچہ ہے؟ جو کچھ دیر پہلے اسکی گود میں رو دھور ہا تھا۔ نہ محسوس انداز میں اس نے اپنی پینٹ کی جیب میں سے فون نکالا۔ فقط چند سیکنڈ کی وڈیو لیکر وہاں سے ہٹ گیا۔

اماں میں تیار ہو رہا ہوں۔ اور بھی جسکو جانا ہے پندرہ منٹ بعد دروازے کے پاس تیار کھڑا ملے۔ ”سفینہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک کر بتانا ضروری جانا۔

”تمہاری وہ فیملی پہلے ہی جانے سے انکار کر چکی ہے۔“ وجہ تم خود ان سے پوچھ لو۔“

اس نے ماں کی مسکراہٹ کو غور سے دیکھا۔ پھر کہا۔

”پہلی بات تو یہ کہ میری فیملی آپ اور وہ بچے ہیں۔ اور دوسری یہ! تیسرے کسی کی اہمیت میری نظر میں دو کوڑی کی بھی نہیں ہے۔ ویسے بھی اچھا ہی ہے۔ وہ عورت گھر پر آپکے ساتھ رہے۔ میں آپکی غیر موجودگی کو کمپنسیٹ کر نیکے لئے رات پھوپھو کی طرف ہی رک جاؤں گا۔ آج میری چھٹی بھی ہے۔ پھوپھو کا شکوہ دور ہو جائے گا۔ کہ کبھی رہتا نہیں ہوں۔“

سفینہ نے متفق ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ خیر سے جاؤ رات کو فون کر دینا تسلی ہو جائے گی۔ اب جاؤ تیار ہو کر نکلو پہلے ہی بہت وقت ہو چکا ہے۔“

جب تک وہ گھر میں موجود رہا۔ عافیہ اسکے سامنے نہیں آئی۔ پہلے مصطفیٰ سے کنفرم کروایا کہ پاپا گھر سے

نکل چکے ہیں۔ پھر اوپری منزل سے احد کو لیکر نیچے اماں کے کمرے میں آئی۔ جو ڈھیل چمیر پر بیٹھیں کوئی کتاب دیکھ رہی تھیں۔

”اماں یقیناً پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہونگے۔ بس جلدی سے اپنی مرضی بتائیں کیا کھانیکا موڈ ہے۔ ابھی بنا کر لے آتی ہوں۔ ویسے اپنے طور پر میں نے اک فافٹ چیز سوچی ہے۔ بریڈ کے سلاکس پر کچپ اور قیمہ جو کہ بنا پڑا ہے اسکے اوپر چیز ڈال کر ٹوشی ٹائپ کوئی چیز بنالاتی ہوں۔ کیا خیال ہے؟؟۔“

سفینہ نے کتاب پر سے نظر ہٹا کر احد کو دیکھا۔ جسے عافی نے بیڈ پر بیٹھایا تھا۔ اسکے ہاتھ میں امرود تھا۔ جس کے ساتھ وہ اپنے سامنے والے دو دانتوں کی مدد سے کھیل رہا تھا۔ پھر کہنے لگیں۔

”بیٹا جی جو مرضی بنالو۔ میں بسم اللہ کر کے کھا لوں گی۔ اور تمہارا بیٹا تو چیز ٹوشی کا ویسے ہی دیوانہ ہے۔“

وہ حکم ملتے ہی وہیں سے کچن کو مڑ گئی۔ بیس منٹ بعد چاروں افراد چھوٹا سادستر خوان بچھائے کھانا کھا رہے تھے۔۔۔ جب کھانے کے بعد عافیہ برتن وغیرہ اٹھا کر سارا کام نمٹا چکی تو احد اور مصطفیٰ کو کلر اور کاپیوں میں مصروف کر کے خود سفینہ کی چمیر کے پشت جانب کھڑی ہو کر انکی چٹیا کھول کر دھیرے دھیرے کنگھی کر رہی تھی۔ تب سفینہ کے دل کی بات زبان پر آئی۔

’عافی‘

’جی‘

”وہ جو کپڑے آج نئے لائی ہو۔ ان میں سے کوئی جوڑا پہننے کی بجائے یہ پرانے والا سوٹ کیوں پہن لیا؟“

انکے سر میں کنگھی کرتے عافیہ کے ہاتھ اک لمحے کو ختم گئے۔

”اماں کپڑوں سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ویسے بھی یہ جوڑے نئے ہی تو ہیں۔“

سفینہ نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے کیا۔ اور آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بڑے دھیمے انداز میں سمجھاتے ہوئیں شروع ہوئیں۔

”بیٹے ہماری سماعتیں اس قدر کمزور ہیں۔ کہ کوئی بہت چیخ چلا کر بھی اپنا موقف بتا رہا ہونہ تو ہی ہارڈ لی سن پاتے ہیں۔ یا سننے کو تیار ہوتے ہیں۔ اور ایسے ماحول میں اگر تم یہ خیال کرو نہ کہ کوئی تمہاری خاموش مگر خوبصورت

احساس اور محبت کرنے والی زبان سمجھ جائے گا۔ تو میرے خیال میں خود کو دھوکا دینیب والی بات ہوگی۔ اور بیٹے جو آپ کا حق ہوا سکو یونہی نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ نہ اس سے غفلت برتنی چاہئے۔ میری ساری بات کا مقصد یہ ہے۔ کہ تم یہ سمجھ لو۔ آیا کہ ضارب تمہارے ساتھ شاپنگ پر نہیں گیا۔ تمہیں پوری طرح سے انور بھی کر رہا ہے۔ میرے سامنے بڑی نامناسب باتیں سنا جاتا ہے۔ تو ظاہر ہے تمہیں بھی سنانا ہوگا۔ اس سب کے باوجود تمہارے اور اس کے درمیان تعلق تو قائم ہو چکا ہے۔ تم اسکے نکاح میں ہو۔ جسے اس نے اپنی مرضی سے کیا۔ اسکی شرعی اور قانونی بیوی ہو۔ اس گھر میں تمہاری حیثیت بڑی مستحکم ہے۔ اور رہے گی چاہے میں زندہ رہوں۔ یا نہ میرا بیٹا کبھی تمہیں اس گھر سے بے دخل نہیں کرے گا۔ کیونکہ اسکی تربیت میں شامل نہیں ہے کہ وہ کسی کے ساتھ ایسی کوئی زیادتی کر جائے۔ ہو سکتا ہے تمہارے حقوق بھی پورے کرتا رہے۔ مگر بیٹہ تمہاری اصل منزل تو اسکا دل ہے۔ اور اپنی سوسالہ زندگی بھی اسکی خاموش خدمت میں گزار دو گی ناں تو تمہارا شوہر کبھی بھی تمہاری طرف مائل نہیں ہوگا۔ جانتی ہو کہ کیوں؟۔ کیونکہ اس نے آٹھ سال ایک عورت سے محبت کی ہے۔ جو اسکے پل پل کا حساب رکھتی تھی۔ کہاں سے آرہا ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ کیا پہنے گا۔ کیا کھائے گا۔ ہر چیز کا فیصلہ وہ کرتی تھی۔ یہ اسکو اسلئے یہ سب کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ یہ اُس سے ڈرتا یا دہتا تھا۔ بلکہ یہ اُس سے محبت کرتا تھا۔ بیٹے ہر انسان کی اپنی ایک الگ فطرت ہے۔ کئی مرد انہی باتوں کی وجہ سے اکٹا کر اپنی شادیاں ختم کر دیتے ہیں۔ کہ انہیں حد سے زیادہ پابندیاں پسند نہیں آتی ہیں۔

وہ جو سر جھکا کر صرف سن رہی تھی۔ پہلی دفعہ بولی۔

”اماں ایسا بھی تو ہو سکتا ہے۔ نا کہ سب سے بڑی وجہ ہی محبت ہو۔ جہاں محبت ہو وہاں ناگوار باتیں اور عادتیں بھی اچھی ہی لگتی ہوں۔ اور جہاں محبت ہی نہ ہو وہاں بچی اور جائز بات بھی ناگوار لگے۔“

اماں بڑے غور سے اسکو دیکھتے ہوئے پڑھ رہی تھیں۔ سمجھنا ضروری جانا۔

”عافی بیٹے میاں بیوی کا رشتہ بڑا ہی عجیب رشتہ ہے۔ یہ خون کے رشتوں جیسا نہیں ہے۔ کہ چاہے مرنا جینا تک ختم کر لو مگر رشتہ پھر بھی سلامت رہے۔ اور دوسری بات یہ ہے۔ بیٹا رشتہ چاہے کوئی بھی ہو میاں بیوی کا ماں بیٹی کا بہن بھائی کا یا دوست کا رشتہ ہمیشہ تب ہی قائم اور مضبوط ہوتا ہے جب آپ اس پر محنت کرتے ہو۔ اپنے

ہونے کا احساس دلاتے ہو کسی کے لئے کھڑے ہوتے ہو۔"

عافیہ کے آنسو خاموشی سے اپنا کام کرنے لگے تھے بڑی دھیمی آواز میں بولی۔

"اماں میں نے سات سال ایک رشتے پر کام کیا۔ دن رات خون دیکر پالا۔ اپنا آرام سکون تیگ دیا۔ مگر حاصل کیا ہوا؟؟۔ نہ عزت، نہ تحفظ، نہ محبت، ماتھے پر بانجھ پن کا داغ، ترس و حکارت بھری نظریں، دربدری، یہ میری اتنے سالوں کی کمائی ٹھہری اماں۔ اور آپ چاہتی ہیں۔ میں ایک اور جو اکیلوں؟؟۔ اچھے کپڑے پہن کر انکے آگے پیچھے پھیروں ادا نہیں دیکھا دیکھا کر انکا دل بھانے کی کوشش کروں۔ چیخ چلا کر انکی توجہ حاصل کروں۔ تاکہ وہ میرے پر ایک نظر انکسفات کی ڈالیں۔ وہ دیکھ تو لیں گے۔ متوجہ تو ہو جائیں گے۔ اور جیسے انہوں نے مجھ سے کہہ رکھا ہے۔ کہ نفس کے ہاتھوں مجبور ہو جاؤں۔ تو مجھے اجازت ہے۔ جب مرضی انکے بیڈ روم میں آ جاؤں۔ تو میری پیاری اماں شور کر کے کسی کو متوجہ کرنے سے نفس کی پیاس بجھانے کی ذمہ داری کندھوں پر اٹھا کر وہ میرے قریب تو آ جائیں گے۔ پردل اور روح کے درد تک ساری عمر انکی نظر ہی نہیں پڑے گی۔ ماں میں نے ایک مرد کے ساتھ سات سال تک جسم کا تعلق قائم رکھا کیا ملا دہاں سے؟۔ جو دوبارہ سے خود کو ماروں؟۔ اور مجھے تو ویسے ہی ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔ پتا نہیں آپکو مجھ میں کیا نظر آ گیا جو اپنے اتنے لاڈلے کامیاب اور ہر طرح سے پرفیکٹ بیٹے سے شادی کروادی۔ یا شاید میرے ماں باپ کی دعائیں ہیں۔ جو آپکو میری زندگی میں آنا تھا۔ مجھے اتنے پیارے بچے ملنے تھے۔ سٹھی ماں ہی آپ مل گئیں۔ اولاد مل گئی۔ سر چھپانے کو عزت بھری چھت مل گئی۔ میں بہت خوش ہوں۔"

سفینہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ تم نے بہت غلط بات کی ہے۔ یعنی ماں مل گئی۔ اولاد مل گئی۔ پوشوہر کو اب پوچھنا ہی نہیں؟۔۔ صرف اس ڈر سے کہ وہ سمجھے گا۔ نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئی ہے۔ تو ایسی کی تیس اسکی۔ جو مرضی سمجھتا رہے۔ میاں بیوی کے تعلق میں ایسے بیہودہ حوالوں کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس نے ایک غلط بات کر دی تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے۔ تم اب اسکو ساری عمر پلو سے باندھ کر رکھو اور شوہر سے دور بھاگتی پھرو۔ اور جہاں تک تم نے اپنی پہلی شادی کا حوالہ دیا۔ تو بیٹے ایک بات یاد رکھنا۔ جیسے رزق کمانے کے لئے انسان محنت تو ضرور کرتا ہے۔ مگر ملتا اور پورا لے

کی مرضی سے ہے۔ جو آپ کے نصیب کا ہے۔ آپ کو وہی ملنا ہے۔ اسی طرح کون آپکی زندگی میں آئے گا۔ اور کون جائے گا۔ اسکا اختیار ہمارے بس میں نہیں ہے۔ یہ سب انسان کی طاقت اور پہنچ سے باہر کی باتیں ہیں۔ دوسرا جہاں تک بات رہی اچھائی جو تم نت پہلے شوہر سے کی۔ اسکے بدلے میں کیا ملا؟۔ تو بیٹے پنجابی کی ایک کہات ہے۔ جسکا مفہوم یہ ہے۔ "سانپ کو آپ ساری عمر بھی دودھ کے پیالے پلاتے رہیں وہ کبھی آپ کا یار نہیں بنتا۔ اسکو جب بھی موقع ملے وہ آپ کو ڈنک مار ہی دیتا ہے۔ مگر آپ کی اچھائی کا صلہ دینے والی ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے۔ سن رہی ہونہ میری بات" میں تمہیں ہرگز اجازت نہیں دوں گی کہ تم کبھی میرے اور کبھی بچوں کے کمرے میں پناہ ڈھونڈو۔ آج ہی اپنے سارے کپڑے پرانے والے جو ہیں۔ باندھ کر کام والی کے حوالے کرو اور نئے سب ضارب کی الماری میں رکھو۔ آج سے سونا بھی ادھر ہی ہے۔ مجھے ویسے بھی کسی کے ساتھ نیند نہیں آتی۔"

عافیہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔"

سفینہ نے اُسکے اڑے ہوئے رنگ کو دیکھا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ زور دیکر اپنی بات کی۔ "وہی کہہ رہی ہوں۔ جو تم نے سنا ہے۔ آج بلکہ ابھی سے اس کمرے میں شفٹ ہونا ہے۔ یہ میرا حکم ہے۔" عافیہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے آنسو پیچھے دھکیلے۔

"ایسا خوفناک حکم دینے سے بہتر ہے۔ اپنے ہاتھوں سے میری گردن مروڑ دیں۔ موت کے منہ میں کیوں بھیج رہی ہیں۔ وہ تو مجھے اس قدر غصے سے گھورتے ہیں۔ انکے کمرے میں رہوں گی۔ تو کچا ہی چبا جائیں گے۔" اماں نے اسے گھورا۔ "ایسا ہی جانور ہے نا میرا بیٹا۔"

اسکی زبان بھی پھسلی۔ "آپ کو کیا پتا آپ کو کونسا وہ غصے سے گھورتے ہیں۔ مجھے تو وہ ایک سیکنڈ میں اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دیں گے۔"

سفینہ نے تسلی دیتے ہوئے بڑے وثوق سے کہا۔ "اس بات کی میں تمہیں گارنٹی دیتی ہوں۔ وہ تم کو کبھی بھی کمرے سے نکل جانے کو نہیں بولے گا۔ اس طرف سے بے فکر رہو۔"

عافیہ نے مزید ہاتھ پاؤں مارنے چاہے۔

”اتنے بڑے گھر میں مجھے ایک کمرہ تک اپنا ذاتی نہیں مل سکتا کیا؟۔ جو میں انکا کمرہ شیئر کروں۔“
سفینہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

”بی بی وہ تمہارا خیم ہے۔ ساری زندگی جس کے ساتھ رہنے کے لئے تین دفعہ ہاں کی تھی۔“

یہ سفینہ کی محبت کا ہی اعجاز تھا۔ وہ انکے ساتھ یوں فری ہو کر بول رہی رہی تھی۔ اب بھی فٹ بولی۔

”جس طرح آپ نے اپنے بیٹے کو اموشن بلیک میلنگ کی مار ماری تھی۔ بالکل اسی طرح فاطمہ چچی نے مجھے راضی کیا تھا۔ اب آپ لوگ دو شریف لوگوں کے جذبات کے ساتھ یوں تو نہ کھیلیں۔ کاش میں ان سے یہ شادی کئے بغیر ہی آپکے گھر آ جاتی۔ کم از کم ایک عدد کمرہ تو مل جاتا۔ وہ بھی میری ذاتی ملکیت کا۔“

سفینہ نے ہنستے ہوئے اسکو گھورا۔ ”اچھا زیادہ فضول نہ بولو۔ میری چٹیا کر دو۔ پھر اپنا یہ حلیہ درست کر کے جو میں نے کہا ہے۔ اس پر عمل کرو۔“

ایک دفعہ پھر کھڑی ہو کر ان کے پال بنانے لگی۔

”اماں میری کوئی بات بری لگی؟ جو یہ اتنی سخت سزا سنادی ہے۔“

سفینہ بولیں۔ ”یہ سزا نہیں ہے۔ پاگل لڑکی!!۔ (اب وہ کیا کہیں کہ تمہارا شوہر بڑے صاف لفظوں میں جتنا چکا ہے کہ شادی اپنی مرضی سے کرے گا۔)۔

رات کو مصطفیٰ کے جاگنے تک وہ اسکے پاس لیٹی اسے کہانی سناتی رہی۔ احد بھی اسکے ساتھ ہی لیٹا تھا۔ مگر اسکی ساری توجہ عافیہ کے نئے جوڑے پر لگے ٹنوں کی جانب تھی۔

جب تک کہانی ختم ہوئی۔ دونوں بھائی خزانے بھر رہے تھے۔ باہر آ کر اماں کو انکی دوادودھ کے ساتھ دینے کے بعد انکے ساتھ مل کر ایک ڈرامہ دیکھنے بیٹھ گئی۔

ساڑھے نو بجے تک تو اماں خاموش رہیں۔ پھر بول پڑیں۔

”چلو عافی میراثی دی بند کرو۔ مجھے نیند آرہی ہے۔ اپنے کمرے میں جا کر دیکھ لو۔“

بے چاری سی شکل بنا کر بولی۔

"آپ کو اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتی ہوں۔ رات کو کسی چیز کی ضرورت پڑی تو؟۔"

سفید نے عینک اتار کر سائیڈ دراز پر رکھی اور اطمینان سے بولیں۔

"کمرے میں انٹرکام ہے۔ جب ضرورت ہوگی۔ تب بلا لوں گی۔ چلو شاباش اچھے بچے بحث نہیں کرتے۔"

☆.....☆.....☆

گیٹ کے باہر گاڑی روک کر اس نے ہارن پر ہاتھ رکھا۔ چہرے پر تشویش کی گہری چھاپ تھی۔ ارادہ تو اس کا شیخوپورہ میں آج رات رکنے کا ہی تھا۔ مگر سوادس بچے کے قریب اس کو ایک انجان نمبر سے عجیب سی کال موصول ہوئی۔ جو کہ ایک طرح سے کوئی اتنی بھی نئی اور عجیب بات نہیں تھی۔ کیونکہ جس کام سے وہ منسلک تھا۔ وہاں کئی طرح کے لوگوں سے واسطہ پڑتا رہتا تھا۔ مگر وہ پھر بھی رات رکنے کا ارادہ بدل کر گھر آ گیا۔ چونکہ دروازہ کھول دیا۔ رات کے سوادو کا وقت تھا۔ گھر کی ساری باتیاں گل تھیں۔ سوائے ہال کے۔ چابی گھما کر دروازہ کھولنے کے دوران اس نے کوشش پوری کی کہ کوئی آواز پیدا نہ ہو۔ دبے پاؤں اماں کو ایک نظر دیکھا۔ پھر سیدھا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ کھولتے ہی احساس ہوا کہ نہ صرف ہلکی سپیڈ پر پٹکھا چل رہا تھا۔ بلکہ ٹائٹ بلب بھی جل رہا تھا۔ جسکی روشنی میں اس کو اپنے بیڈ پر کسی وجود کا احساس ہوا فوراً مین لائٹ جلائی۔ سامنے نظر آنے والا منظر ضارب کو اچھا خاصہ چونکا گیا۔ گرے اور کالے رنگ کی تانگی میں ایک ہاتھ گال کے نیچے اور دوسرا پہلے بازو پر۔۔۔ لمبی ڈھیلی ڈھالی چوٹی ناگن کی طرح بل کھا کر سرہانے کے آس پاس ڈھیر ہوئی تھی۔۔۔ دوپٹہ جو کہ اب تک وہ اسکے سینے اور سر کے گرد لپٹا ہی دیکھتا رہا تھا۔ اس وقت سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ وہ احد کی جانب کروٹ لیے سو رہی تھی۔ جو کہ لا پرواہ اور شہنشاہی انداز میں دونوں بازو اور ٹانگیں پھیلا کر منہ زور سے بھیجنے مڑے میں سویا ہوا تھا۔ بے اختیار ضارب نے آگے بڑھ کر اسکے ماتھے پر پیار کیا۔

ڈرائنگ میں جا کر کپڑے بدلے واپس آ کر ایک دفعہ پھر سے بیڈ کا جائزہ لیا۔

کنگ سائز بیڈ پر وہ دونوں بالکل درمیان میں ایسے سوئے ہوئے تھے۔ کہ نہ اس طرف نہ اس طرف جگہ اتنی نہیں بچی تھی۔ جہاں وہ لیٹ سکتا۔ اور احد کی طرف تو وہ لیٹنا چاہتا بھی نہیں تھا۔۔۔ کچھ سوچ کر اگلا سٹیپ لیا۔۔۔۔۔

اسکو اپنے کان کے بالکل قریب دھیمی اور نرم آواز سنائی دی "عافیہ"

عادت کے مطابق فوراً ہی منہ سے نکلا۔ "جی"

اسکی آنکھیں ابھی بھی بند ہی تھیں۔

"سنو ذرا اُحد کو تو ایک سائیڈ پر کر دو۔ میں نہیں چاہتا سوتے میں کہیں اسکو میرا ہاتھ وغیرہ لگ جائے۔"

اب کی بار عافیہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اسکے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ اسکے چہرے کو دیکھتے ہی عافیہ

کی زبان سے بے اختیار ہی سوال نکلا۔

"آپ آ کیوں گئے؟ آپ کو تو وہاں رات رہنا تھا۔"

وہ جو فون پر آئے ہوئے میسج دیکھ رہا تھا۔ تب کر عافیہ بولا۔

"اگر ادھر بیٹھا تمہیں برا لگ رہا ہوں۔ تو کیا واپس چلا جاؤں؟؟۔ اور کہو گی تو زندگی کی باقی ساری راتیں

کہیں باہر ہی گزار آیا کرونگا۔"

وہ انتہا کا سنجیدہ لگ رہا تھا۔ عافیہ چونکی تھی اور آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ یہ وہ ضارب نہیں تھا جو صبح گھر

سے گیا تھا۔ جس کے ساتھ وہ اس گھر میں آئی تھی۔ یہ کوئی اور ہی تھا۔ اپنا دوپٹہ ڈھونڈتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اگر ہماری موجودگی سے آپ ڈسٹرب ہیں تو کیا میں اور اُحد دوسرے کمرے میں چلے جائیں؟؟۔"

ضارب نے اب کی بار غور سے اس عورت کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جانے کی بات گئی بھاڑ میں۔ پہلے یہ بتاؤ اپنی مرضی سے یہاں سوئی ہو۔ کہاں کے کہنے پر؟؟۔"

اماں کے نام پر تو عافیہ کی آدھی مشکل آسان ہو گئی۔ فوراً صفائی دینے بیٹھ گئی۔

"دیکھیں میں نے بہت انکار کیا تھا۔ مگر انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔ مگر پلیز آپ ان سے ناراض مت

ہوئے گا۔ میں ابھی ہی یہاں سے چلی جاتی ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگی تھی۔ مگر ضارب کی مضبوط گرفت نے اسکا ارادہ پورا نہ ہونے دیا۔

"تم نے اپنی ساری زندگی دوسروں کے حکم ہی مانیں ہیں۔ تو پھر مسئلہ کیا ہے؟۔ میری تو چھوٹی سی ریکویسٹ

ہے۔ کوئی حکم تو نہیں۔ بس اس بچے کو ایک سائیڈ پر کر دو تا کہ میں سو سکوں۔"

وہ اسکو بتانہ سکی کہ اس بچے کو میں نے درمیان میں رکھا ہی اپنے تحفظ کے لیے ہے۔ تو سائیڈ پر کیسے کر دوں؟۔ مگر ضارب کے چہرے پر نظر آنے والی سنجیدگی نے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہ دی۔ احد کو تھوڑا آگے کر کے خود بھی آگے ہو گئی۔ اب ضارب کے لئے بہت کافی جگہ بن گئی تھی۔

وہ خود کو پوچھنے سے روک نہ پائی۔

”آپ کو کچھ چاہیے۔ پانی وغیرہ؟؟۔“

ضارب نے فون بند کر کے سائیڈ دراز پر رکھا۔ اٹھ کر لائٹ بند کی جب اپنی جگہ پر لیٹ چکا۔ تو اندھیرے میں اسکی آواز گونجی۔ تمہارے جیسے نمونے میوزیم میں رکھے جانے چاہیں۔۔

وہ تو اپنی بات کہہ کر کروٹ بدل کر سو گیا۔ مگر وہ کتنی دیر جاگ کر اسکے کہے جملے کا مفہوم ڈھونڈتی رہی۔ پھر نہ جانے کب آنکھ لگ گئی۔ وہ اپنے پہلو میں سوئے ہوئے ضارب کی وہاں موجودگی سے اس قدر محتاط تھی۔ صبح تک ایک ہی سمت میں کروٹ لیے پڑے رہنے کی وجہ سے جسم کا وہ حصہ اکڑا ہوا تھا۔ اور یہ روٹین اگلے آنے والے بہت دنوں تک جاری ہی رہی۔ وہ کمرے میں تب آتی جب وہ سو چکا ہوتا۔ یا کم از کم عافیہ کو یہ یقین آ جاتا کہ اب سو گیا ہوگا۔ جا کر خاموشی سے بیڈ کی ایک سائیڈ پر کسی بے جان جسم کی طرح دن نکلنے تک پڑی رہتی۔ ادھر اذان ہوتی ادھر وہ اس کمرے کی قید سے آزاد ہو کر کھلی فضا میں سانس لیتی۔

سوائے ایک رات کے جس رات ضارب کا شو ہوتا تھا۔ اس رات وہ اس کے گھر آنے سے پہلے پوری کوشش کرتی کہ نیند آ جائے۔ مگر نیند بھی ہمیشہ مہربان نہ ہوتی۔

مصطفیٰ کے ساتھ دوستی ہر گزرتے دن کے ساتھ گہری سے گہری ہوتی رہی۔ اسکا ہر تھوڑے آیا جسکے بارے میں ضارب نے یہی مشورہ دیا۔ سکول کے دنوں میں کرنے کی بجائے ویک اینڈ پر وہ مصطفیٰ اور اسکے دوستوں کو باہر ڈنریالینج کروادے گا۔ مصطفیٰ کوئی اعتراض نہیں تھا۔ فی الحال ایک ایک لاکر کاٹ لیا گیا تھا۔ مصطفیٰ کو ہفتے میں سکول سے دو چٹھیاں ہوتی تھیں۔ ہفتہ اور اتوار کی۔

”اماں مجھے بتادیں پھر ڈنریالینج کی؟؟“

سفینہ نے الٹ جواب دیا۔

”بھئی اپنی بیوی سے پوچھو مجھے کیا علم۔“

ضارب کی تیوری چڑھ گئی۔ اور غصے سے بولا۔

”آپ یہ جو کوششیں کرتی پھر رہی ہیں نا۔ کچھ بھی نہیں ہونے والا ان سے۔“

سفینہ نے انجان بنے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔ ”کوئی کوششوں کی بات کر رہے ہو؟“

اسکوان کی اس بات پر مزید تپ چڑھی۔

”آپ اسکو کہہ کر ہر بات منوالیں گی۔ جو کہتی جائیں گی۔ وہ مٹی کی مادھو چپ چاپ آپکے حکم ماننے جائے

گی۔ پر اماں میں ”ضارب سیال“ ہوں۔ عافیہ کمال نہیں ہوں۔“

سفینہ نے اسے جتاتے ہوئے کہا۔ وہ بھی اب عافیہ کمال نہیں عافیہ ضارب ہے۔“

ضارب کا قہقہہ بے اختیار تھا۔ وہ بولا۔ ”اماں ضارب کے کمرے میں سو جانے سے وہ عافیہ ضارب نہیں

بن گئی۔ وہی ہے جو تھی۔“

سفینہ نے بھی ہار نہ مانی۔ ”اسکی حیثیت اسی دن بدل گئی تھی۔ جس دن تمہارے نکاح میں آئی تھی۔“

ضارب نے ہنستے ہوئے نفی کی۔ ایک کام کریں ابھی اسکو میرے سامنے نکلا کر کہیں کے وہ میری آنکھوں

میں دیکھ کر یہی ایک جملہ دہرا دے ”میں عافیہ ضارب ہوں۔ ضارب کی بیوی۔“ میں اسکی حیثیت تسلیم

کراؤں گا۔“

سفینہ نے اسکو گھورا۔ اور کہا۔ فکر نہ کرو ایک دن وہ ایسا بھی کر دے گی۔“

سفینہ کی ہار نے ضارب کو بہت مزادیا تھا۔ کھل کر ہنستے ہوئے بولا۔

”پیارے والدہ وہ دن کبھی نہیں آتا۔۔۔۔۔“ لکھ کر رکھ لیں۔ یہ عورت آپکی بہو بن کر آئی ہے وہی بن کر

رہے گی۔ میری بیوی میرے جیسی آئے گی۔ غڈ رہے باک۔ چھوٹی موٹی ڈری سہی سی عورت نہیں ہوگی جو ساری

رات ایک کروٹ پر پڑی رہے۔ اس ڈر سے کہیں میری توجہ اسکی جانب نہ ہو جائے۔“

Its just a very sick joke moter, not a man

”خیر چھوڑیں یہ لہا حاصل بحث اور بتائیں۔ ڈر یا لٹخ۔۔۔؟“

سفینہ نے اپنی کہی بات پھر دہرا دی۔۔

"میں بتا چکی ہوں کہ اپنی بیوی بچوں سے پوچھو۔۔"

"چلو جی یہ بھی کر لیتے ہیں۔۔" ساتھ ہی اس نے مصطفیٰ کو آواز دی۔ جب مصطفیٰ کی جانب سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ اسے ڈھونڈتا اسکے کمرے میں آیا۔ کمرہ تو خالی ہی تھا۔ مگر واش روم سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ دروازہ کھولا تو اندر کا عجیب منظر تھا۔

ٹب میں پانی بھرے بل باتھ بنایا گیا ہوا تھا۔ سارا ٹب صابن کے جھاگ سے بھرا ہوا تھا۔ جس میں مصطفیٰ اور احد بیٹھے نظر آئے۔ ان کے چہروں پر جھاگ کی مدد سے داڑھی مونچھیں بنی ہوئی تھیں۔

"ادھر کیا ہو رہا ہے؟"

اچانک سے ضارب کی آواز پر وہ ڈر کر مڑی کیلے فرش پر پاؤں پھسلا وہ مصطفیٰ اور احد کے درمیان ٹب میں گری۔ دو سیکنڈ لگے سب کو نئی پیدا ہونے والی صورتحال سمجھنے میں۔ اگلے لمحے مصطفیٰ اور ضارب کے ساتھ ساتھ احد بھی ہنس ہنس کر دہرا ہوا تھا۔

عافیہ شرمندگی کے مارے اپنی جگہ سے اٹھی بھی نہ ویسے ہی پانی میں بیٹھی رہی۔ ٹانگیں باہر لٹک رہیں تھیں۔ احد کو موقع مل گیا وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے گود میں بیٹھ گیا۔ وہ چاہ رہی تھی کہ ضارب ادھر سے ہٹے تو وہ پانی میں سے باہر آئے سارے کپڑے تو بھیگ ہی چکے تھے۔

مگر ضارب باہر جانے کی بجائے اندر آیا۔ جھاگ لیکر عافیہ کی داڑھی مونچھیں بنائیں۔ اور بولا۔

"اب تصویر مکمل ہوئی ہے۔" ساتھ ہی جیب سے موبائل نکال کر تین چار مختلف پوز میں تصویریں لیں۔ فون واپس جیب میں ڈالتے ہوئے وہ بات کی جسکے لیے آیا تھا۔

"اسکے دوستوں کو ڈنر پر لے جانا ہے۔ یا لنگ پر؟"

سوال سیدھا اسی سے کیا گیا۔ اس لیے مجبوراً جواب بھی اسے ہی دینا پڑا یہ الگ بات کہ نہ سر اٹھایا نہ نظر ملائی۔

"وہ میں سوچ رہی تھی۔ اگر آپ کو برا نہ لگے تو مصطفیٰ کے دوستوں کو گھر پر ہی بلا لیں۔ سارا دن رہ لیں گے۔ میں کھانا وغیرہ بنا لوں گی۔"

اسکی آواز اتنی کم تھی کہ وہ بمشکل سن پایا۔ اور فوراً اگلا سوال کیا۔

”اور آپ کے ذرخیز دماغ میں یہ خیال شریف کیوں آیا؟؟؟“

عافیہ نے احد کے چہرے کو اپنے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے بولنا شروع کیا تو ضارب نے آگے کے جھک کر اپنا کان اسکے چہرے کے قریب کیا۔ عافیہ بالکل ہی خاموش ہو گئی۔

”ضارب نے مصطفیٰ کو مخاطب کیا۔

”یار اس روبوٹ کے ولیم بٹن کا پتا ہے تو آواز ذرا قابل سماعت کر دو۔ مجھے لپ ریڈنگ بالکل نہیں آتی۔ مصطفیٰ کو یہ بات ناگوار گزری تب ہی بولا۔ ”پاپا آپ انکو بولنے دیں گے تو نا۔“

ضارب نے سیٹی مار کر بھنویں اچکاتے ہوئے عافیہ کو دیکھا۔

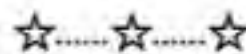
”واہ بھئی۔۔۔!! ماننا پڑے گا تمہاری ڈیفینس ٹیم تو بڑی ٹھکڑی ہے۔ ایک محافظ باہر بیٹھا ہے۔ ایک ادھر موجود ہے۔ ایک کو ساتھ لیکر سوتی ہو۔ مان گئے بھئی۔ تمہاری مین پاؤر سے اب مجھے خبردار رہنا پڑے گا۔“

عافیہ مسلسل ادھر ادھر دیکھنے میں مصروف تھی۔ ضارب یہ بات جانتا تھا۔ جب تک وہ آس پاس رہتا ہے۔ عافیہ کی جان سوتی پر رہتی۔

”اچھا سنو میں اماں کو پیسے دے دیتا ہوں۔ تم لوگوں کا جو بھی پروگرام ہو کر لینا۔ اب سارے معاملے میں میری کوئی سر درد نہیں ہیں۔ جو بھی سودا چاہیے ہو لٹ بنا کر ڈرائیور کو دے دینا۔ لے آئے گا۔ ہاں میں تو یہی کہوں گا۔ ایک دفعہ پھر سوچ لو۔ بچوں کو سارے دن کے لئے گھر پر بلانا۔ انکو انٹرٹین کرنا آسان کام نہیں ہے۔ جبکہ بچے ہوں بھی بڑے چالو نا پ۔“

عافیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”میں دیکھ لوں گی۔“

ضارب اسکو شک بھری نگاہوں سے جانچتا باہر نکل گیا۔ عافیہ نے شکر کا کلمہ ادا کیا۔ تب میں سے اٹھی پاؤں پوری طرح زمین پر نہ پڑا بیلنس نہ رکھ پائی تو واپس پھر تب میں گری۔ اس دفعہ احد اور مصطفیٰ کے ساتھ اسکا اپنا قبضہ بھی شامل تھا۔



اتوار کے دن ضارب اپنے کمرے میں ہی زیادہ وقت لیپ ٹاپ پر مصروف رہا۔ دن اچھا تھا۔ اسلئے سفینہ احد کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی انکی نظر مصطفیٰ اور اسکے پانچ دوستوں پر بھی تھی۔ جن لوگوں نے دن کے بارہ بجے سوئمنگ پول میں اُدھم مچایا ہوا تھا۔

عافیہ کا ایک پاؤں کچن میں تو دوسرا باہر تھا۔ سوئمنگ پول میں کودنے والے تو ابھی کھانے سے انکاری تھے۔ اسلئے وہ ضارب کے لیے کھانا اسکے کمرے میں ہی دینے آگئی۔

سارے بیڈ پر مختلف پیپر بکھرے پڑے تھے۔ جن کے درمیان بیٹا وہ لیپ ٹاپ کی سکرین کو گھورنے میں مصروف تھا۔

عافیہ نے کھانا میز پر رکھا اس دوران وہ بالکل بھی متوجہ نہ ہوا۔ پانی وغیرہ بھی لا کر رکھ دینے کے بعد اس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

”کھانا لگا دیا ہے۔“

ضارب نے ایک اچھٹی سی نظر اس پر اور پھر کھانے سے کچی میز پر ڈالی۔ بھنویں اچکا کر حیرت کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی پوچھنے لگا۔ ”کیا باقی سب کھانا کھا چکے؟“

عافیہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”مجھے علیحدہ سے دینے کی کیا ضرورت تھی۔ میں بھی سب کے ساتھ ہی کھا لیتا۔“

جتنا وہ وہاں سے بھاگنے کے چکر میں تھی۔ اتنے ہی سوال رستہ روک رہے تھے۔

”اماں نے بس کباب کے ساتھ بزر چائے لی ہے۔ انکا معدہ کچھ اپ سیٹ ہے۔ میں نے دوا دیدی ہے۔ اور بچوں نے کافی زیادہ کھایا ہے۔ انہیں ابھی گنجائش محسوس نہیں ہو رہی۔ کہتے ہیں۔ جب بھوک لگے گی کھالیں گے۔“

وہ صوفے کے کشن ٹھیک کرنے کے بعد دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی۔ ضارب کے اگلے سوال پر قدم رک گئے۔ جو لیپ ٹاپ پر ہی نظریں لگائے پوچھ رہا تھا۔

”تم نے کھانا کھا لیا۔۔۔؟“

بھی کسی معمول کے مطابق اسکی کھلی بانہوں میں سا گیا۔

"اب بولو کیا کہہ رہے تھے۔"

مصطفیٰ نے اپنا مدعا دہرایا۔ "دادو کہہ رہی تھیں کہ نالائق انسان یعنی کہ آپ ضارب سیال صاحب اگر اپنا روز کا کام روز کر لیں تو مہینے کا ایک دن یوں کمرے میں بند ہو کر فائلوں میں غرق ہو کر نہ گزارنا پڑے۔"

ضارب نے اپنی آنکھیں بند کر کے سر مصطفیٰ کے کندھے پر رکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟؟ کیا دادو سچ کہتی ہیں؟؟۔"

مصطفیٰ نے سوچتے ہوئے کہا۔ ☆

It does kind of makes sense. You are working s morning and now its 8'o clock of night and you working.

"میرے دوست سارا دن ادھر رہے۔ مگر آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

ضارب نے ہاتھ سے اپنے ماتھے پر آئے بال پیچھے کو سیٹ کئے۔

"سوری یا رکام تھا ہی بہت مگر فکر نہ کرو۔ آئی ول میک اٹ اپ ٹویو۔"

مصطفیٰ نے باپ کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"چلیں کیا یاد کریں گے۔ معاف کیا آپ کو ویسے بھی پری نے میرے دوستوں کے لیے بہت کچھ بنایا تھا۔

ابھی جاتے ہوئے بھی سب کو ہوم میڈ مفنز وغیرہ دیئے ہیں۔ میرے دوست مجھ سے کہہ رہے تھے۔ یہ انکا سب

سے بیسٹ گیٹ ٹو گیدر تھا۔ پلس آئی ہیو دا بیسٹ مدر۔۔۔۔۔"

مصطفیٰ ضارب کے سینے پر سر رکھ کر نیم دراز تھا۔ ضارب کی سوچ کہیں اور جبکہ انگلیاں مصطفیٰ کے بالوں میں چل رہی تھیں۔۔

"تمہاری سٹڈی کیسی جا رہی ہے؟۔" اس نے مہارت سے موضوع بدلا۔

"یس اے ون۔ انفیکٹ آپ ہی میری ڈائری پر آج سکنچر کر دیں۔ پری تو ابھی تک کچن میں مصروف

ضارب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "لے آؤ سائن کر دیتا ہوں۔ دادو اور احد کدھر ہیں؟"
مصطفیٰ اپنی جگہ سے اٹھا۔ "دادو اپنے کمرے میں ہیں۔ احد پری کے ساتھ ہے۔"

ضارب بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو اماں کے پاس ہی بیٹھتے ہیں۔"

دونوں باپ بیٹا سفینہ کے پاس آئے۔ ضارب پر نظر پڑتے ہی سفینہ نے تاسف سے سر ہلایا۔
"شاباش ہے بیٹا۔ گھر میں ہوتے ہوئے بھی ایسی غیر حاضری..."

اس نے آگے بڑھ کر ماں کی پیشانی چومی اور بولا، "غیر حاضری سہی تھا تو گھر پر ہی نا۔"

"طبیعت کی سنائیں۔ آپ کی بہو کے منہ سے سنا تھا کہ معدہ خراب ہے۔"

سفینہ نے ہاتھ میں پکڑا کروشیہ سائیڈ پر رکھتے ہوئے عینک کے پیچھے سے ہی بیٹے کو ذرا اور غور سے دیکھا۔

"میری طبیعت تو ماشا اللہ اب بہتر ہے عافیہ نے قبوہ بنادیا تھا۔ تم اپنی سناؤ۔۔۔ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ

پردے کے پیچھے منہ کے بارہ بجے ہوئے ہیں۔"

وہ خوشدلی سے مسکراتے ہوئے ان کے بیڈ پر پھیل کے لیٹ گیا۔

"ایک کپ چائے تو پلوادیں۔ میرا سر دکھ رہا ہے۔"

سفینہ نے ادھر بیٹھے ہی ہاتھ پھیلا کر اسکی پیشانی کو محو ابالوں میں ہاتھ پھیرا۔

"سر تو دکھے گا ہی جب سارا سارا دن لیپ ٹاپ کی سکرین کے سامنے جے رہو گے۔"

اسکو سفینہ کے ہاتھوں کی حرکت سے سکون مل رہا تھا۔ آنکھیں موندے یونہی لیٹے لیٹے نیند کی وادی میں پہنچ

گیا۔ اس کے خراٹے سن کر مصطفیٰ اور اسکی دادی حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

پھر انہوں نے دھیمی سی آواز میں مصطفیٰ کو ہدایت دی۔

لائٹ بند کرو اور جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر دو۔ پری سے کہنا پاپا کا کھانا مانگیرو ویو کے پاس رکھ دے۔

اور خود آرام کرے سارے دن کی بھاگ دوڑ رہی ہے تھک گئی ہوگی۔ اور یہ تو پڑتے ہی سو گیا۔

مصطفیٰ نے مسکراتے ہوئے ایک نظر باپ پر ڈالی جس پر سفینہ کبیل ڈال رہی تھیں۔

اس نے برتن دھونے سے پہلے ایک باؤل میں فروٹ کاٹ کر احد کے واکر میں اسکے سامنے رکھے تھے۔ جب تک وہ برتن دھو کر فارغ ہوئی احد فروٹ کے ساتھ مستیاں کرنے میں مصروف رہا۔ کھایا کم اور حسب عادت ادھر ادھر گرایا زیادہ۔

برتن انگی جگہ میں ٹکانے کے بعد وہ تولیے سے ہاتھ صاف کرنے کیساتھ ساتھ احد کا جائزہ لے رہی تھی۔ جس کے کپڑے چہرہ سب کچھ میلا ہو رہا تھا۔ تب ہی مصطفیٰ بولتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔

”پری جان پاپا دادو کے کمرے میں سو گئے ہیں۔ اور دادو کہہ رہی ہیں کہ آپ بھی اب آرام کریں۔ تھک گئی ہوگی۔“ اور ہاں دادو نے یہ بھی بولا ہے کہ پاپا کے لیے کھانا مانیکرو وینو کے پاس رکھ دیں۔“

اس نے ساری ہدایت سن کر سر ہلایا۔ ساتھ ہی انگی ہدایت بھی دی۔

”تم بھی دانت برش کر کے فوراً سونے کے لیے لیٹو ورنہ صبح وقت پر آنکھ نہیں کھلے گی۔ میں پہلے احد کو صاف کروں پھر تمہارا یونیفارم استری کر کے رکھتی ہوں۔“

مصطفیٰ نے فوراً پوچھا۔ ”تو کیا آج آپ بیڈ ٹائم سٹوری بھی نہیں سنارہی ہیں۔؟“

ناک چڑاتے ہوئے اس نے احد کو گود میں لیا۔ اور بولی۔

”آٹار کچھ ایسے ہی ہیں۔ کیونکہ ابھی مجھے تمہارے پاپا کا کمرہ بھی سیٹ کرنا پڑے گا۔ یہ بڑا سا کاغذوں کا ڈھیر ادھر سے برآمد ہوتا ہے۔ جاؤ شاہاش میرا چاند جا کر سو جاؤ۔ اگر میں جلدی فارغ ہوگئی تو کہانی سنادوگی۔“

مصطفیٰ کو منہ بسورتے ہوئے وہاں سے جانا ہی پڑا مگر جانے سے پہلے وہ عافیہ اور احد کو پیار دینا نہیں بھولا۔

سب سے پہلے عافیہ نے احد کو صاف کر کے ہلکی ہلکی مالش کی کپڑے پہنائے اور فیڈر پینے کے دوران ہی وہ سو گیا۔ اپنے بیڈ پر ہی اسکو اچھے سے کبل اوڑھا کر لٹانے کے بعد اس کا دھیان باقی کاموں کی طرف ہوا۔ کمرے کی ساری صفائی کی برتن ہٹائے۔۔۔ ضارب کے سارے پیچرز وغیرہ بیڈ سے اٹھا کر ایک فائل میں ڈال کر میز پر لیپ ٹاپ کے قریب ہی رکھ دیئے۔

اس دوران گیارہ بج گئے۔ دبے پاؤں جا کر سفینہ کو دوا بھی دے آئی۔ اب صرف کپڑے استری کرنے رہ گئے تھے۔ مگر عشاء کی نماز پڑھنی زیادہ ضروری تھی کہ جس کا وقت نکلا جا رہا تھا سو وضو کر کے سٹور میں ہی آگئی۔ پہلے

نماز پڑھی پھر استری سنبھالی۔ مصطفیٰ کا یونیفارم استری کرنے کے بعد اسکی دادی کے دوسوٹ کئے اب اسکے اپنے کے کپڑوں کی باری آئی تھی۔ تبھی وہ سرخ نظریں لیے ستور کے فریم میں نمودار ہوا۔ ضارب آدھ کھلی آنکھوں میں غصہ اور ہاتھ میں مصطفیٰ کی ہوم ورک ڈائری تھی۔ جو اس نے آگے بڑھ کر عافیہ کے بالکل سامنے چنٹی۔۔۔ وہ تو حیران ہو رہی تھی۔ کہ یہ تو سویا ہوا تھا۔ مگر اس کے عمل پر پریشان بھی ہو گئی۔ ڈرتے ہوئے اسکی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”مصطفیٰ کی ڈائری پر سائن کرتے ہوئے۔ کیا سوچ کر تم اپنے نام کے آگے میرا نام لکھتی ہو؟“

اس کے لہجے میں جس قدر نفرت اور حقارت تھی۔ اس نے عافیہ کی سٹی گم کر دی اور ویسے بھی وہ کونسا اسکے سامنے کچھ کہنے کی جرات رکھتی تھی۔

”بول کیوں نہیں رہی ہو؟“

عافیہ کا وجود دیرے دیرے کاٹنے لگا مگر زبان نے ساتھ نہ دینا تھا۔ نہ ہی دیا۔ جبکہ وہ یونہی تن کر اسکے سر پر کھڑا دھاڑ رہا تھا۔

”میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ نہ میں نے تمہیں اپنی بیوی کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ نہ ہی تمہیں یہ اختیار دیا ہے کہ تم خود کو میرے حوالے سے متعارف کرواتی پھر دو۔ اسلئے آئندہ اپنی اوقات میں رہنا۔ اور کبھی بھی اپنے آپ کو عافیہ ضارب نہ بولنا۔“

ضارب نے ڈائری اٹھا کر ہڈے ہڈے کر کے اسکے سامنے رکھتے ہوئے بتا دیا کہ ”آئندہ ایسی غلطی کی تو تمہارا حال بھی اس ڈائری جیسا ہی کرونگا۔“

اپنی بات مکمل کر کے وہ تو وہاں سے چلا گیا۔ مگر اگلی ساری رات وہ وہیں کی وہیں اپنے ٹوٹے دل اور ششدر روح سمیت بیٹھی رہ گئی۔

”مجھے روناہی کیوں آئے جارہا ہے؟“

”ایسا تو نہیں کہ وہ میری محبت میں مبتلا تھے۔ اور اب بدل گئے ہیں۔ پھر مجھے کیوں دکھ کھائے جارہا ہے۔ صرف یہ سوچ سوچ کر کہ ضارب سیال کو مجھ سے محبت تو دور کی بات ہمدردی بھی نہیں ہے۔“

”پرکاش انکو مجھ سے محبت ہوتی۔۔۔“

”ایسی زبردستی کی شادیاں ہونی ہی نہیں چاہئیں۔۔۔“

پھر اپنی ہی بات کو خود ہی رد کرتے ہوئے سوچا ”اگر اماں انکویوں بلیک میل نہ کرتیں۔ تو میں احد مصطفیٰ یا اماں سے ملتی کیسے۔۔۔؟“

بیٹھے بیٹھے جب وجود اکڑ گیا۔ کمر بالکل جواب دے گئی۔ تو خود کو تقریباً گھسٹی ہوئی اٹھی اور اپنے کمرے میں جانے کی بجائے مصطفیٰ کے پاس لیٹ کر آنکھیں موندھ لیں۔۔۔

☆.....☆.....☆

رات کو اماں کے کمرے میں بھوک کی وجہ سے جلد ہی آنکھ کھلنے پر وہ وہاں سے کوئی آواز پیدا کئے بغیر نکل آیا۔ کیونکہ اماں سوچکی تھیں۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ انکی نیند خراب ہو۔ وہاں سے سیدھا کچن میں گیا۔ اطمینان سے کھانا کھانے کے بعد اپنی آرام گاہ میں آیا۔ احد بیڈ پر مزے میں سو رہا تھا اور وہ غائب تھی۔

تب ہی اسکی نظر سائینڈ ٹیبل پر پڑی۔ جس کی اوپر مصطفیٰ کی ڈائری رکھی تھی۔ جس کو کھول کر دیکھتے ہوئے اسکی نظر آج سے قبل کی تاریخوں میں کئے ہوئے پیرنٹس کے سائنز پر پڑی۔ جو کہ یقیناً عافیہ کے کیے ہوئے تھے۔ ہر صفحے کے اینڈ پر لکھا عافیہ ضارب پڑھ کر اسکا تو دماغ ہی گھوم گیا تھا۔ اسی لیے اسکو اچھی طرح اسکی اوقات یاد دلانے کے بعد آکر سویا تھا۔

اس وقت احد اسکے چہرے کے قریب بیٹھا۔ مسلسل اپنے نرم نرم ہاتھوں سے ایک کے بعد ایک تھپڑ رسید کر رہا تھا۔ نیند میں ہی ضارب نے اپنے دفاع کے لیے چہرہ کبل کے اندر کر لیا۔ احد چند لمحے غور کرتا رہا پھر اس نے باپ کے بال کھینچنے شروع کر دیئے۔ تکلیف سے وہ ایک دم بول اٹھا۔

’عافیہ اٹھاؤ اسکو یہاں سے یا رسونے بھی نہیں دے رہا۔‘

مگر عافیہ وہاں ہوتی تو جواب دیتی ناں۔ احد اپنے مشغلے میں برابر مصروف رہا تو ناچار ضارب کو بیڈ سے

نکلنا پڑا۔ احد کو گود میں اٹھایا اور جا اماں کے کمرے میں حاضری دی۔

مگر یہ کیا باہرا بھی اندھیرا ہے اور سفینہ مجھ خواب۔ کمرے میں ماں کے علاوہ دوسرا وجود موجود نہ پا کر وہ دروازے سے ہی پلٹ آیا۔

سنور میں بھی اسے موجود نہ پایا۔ وہاں سے ایک ہی جگہ بچتی تھی۔ مصطفیٰ کا کمرہ۔ اور وہ اسے وہیں مصطفیٰ کے بیڈ پر نظر آئی۔

عافیہ پر نظر پڑتے ہی احدا کی طرف جھک گیا۔ اور چاہتا بھی یہی تھا کہ باپ کی گرفت سے آزاد ہو کر عافیہ کی گود میں سمائے۔ مگر ضارب نے ایسا نہ کیا۔

بڑے غور سے اپنی سوئی ہوئی بیوی کے چہرے پر مٹے ہوئے آنسوؤں کے نشان دیکھنے کے بعد ماتھے پر تیوری لیے وہاں سے نکل آیا۔ احد نے بھرپور قسم کا احتجاج کیا تھا۔ مگر اس نے اپنے پیچھے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اور احد کو لیے کچن میں آیا۔ فریج میں اسکے بنے پڑے فیڈر کو نکال کر مائیکرو ویو میں گرم کر کے اسے پیش کیا۔ جواب میں احد نے بھی ثابت کر دیا کہ وہ اپنے باپ کا ہی بیٹا ہے۔ اس نے فیڈر پکڑ کر فرش پر دے مارا۔ ضارب نے مصلحت آمیز نظروں سے اپنے لخت جگر کو دیکھا۔ اور نظروں ہی نظروں میں سمجھانا چاہا۔

”دیکھ یا راحد مانتا ہوں کہ وہ عورت تیرے حق میں بڑی اچھی ہے۔ پر یا رکھ بھی ہو۔ لوگ اپنے باپ کو اس طرح سے تو ذلیل کرتے جیسے تو میرے ساتھ کرتا ہے۔ یعنی ہر دفعہ تم مجھے اسکے سامنے بے غیرت ثابت کروا دیتے ہو۔ وہ اللہ کی گائے اگر کسی دن آگے سے بول پڑی کہ بے فیض انسان اگر میں تمہاری بیوی کہلوانے کا حق نہیں رکھتی۔ تو اپنے بچوں کو بھی مجھ سے دور رکھو۔ جو پہلے سیکنڈ سے لیکر تین چار ماہ گزر جانے کے بعد آج بھی بھاگ کر میری آغوش میں ہی آتے ہیں۔ تو تمہارے اس اونچے شملے والے باپ کو خلو بھر پانی نہیں ملنا۔ کہ کہیں ڈوب کر ہی مر جائے۔ اسلیے اسکے پاس جانا بھی ہو۔ تو مجھے درمیان میں لائے بغیر بھاگ جایا کرو۔ اسکو بولو سلا یا بھی تمہیں اپنے ساتھ کرے۔“

احد باپ کی سرگوشیوں کو بڑے غور سے اپنی گول گول موٹی آنکھیں منکارتے ہوئے سن رہا تھا۔

"میرے شیر یہ فیڈر پکڑو اور سارا ختم کر کے ثابت کر دو کہ تم ضارب سیال کے احساس مند بیٹے۔۔۔۔۔"

اسکی بات ابھی ادھوری ہی تھی۔ احد نے ایک دفعہ پھر فیڈر کو رکھ کے کچن کے فرش پر پٹخا۔
 "شاباش ہے بیٹا۔۔۔!! یعنی مصالحت کا لفظ تمہاری ڈکشنری میں ہے ہی نہیں۔"

"چل یار تیری مرضی آئی گئس بڑھے مالدار باپ سے زیادہ اہم ایک کنگلی عورت ہے۔ سنا تھا کہ بڑھا پے
 میں اولاد ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ پر میری اولاد نے تو بھری جوانی میں مجھے چھوڑ دیا۔ پر یاد رکھو مستقبل قریب میں تم
 نے کچھ چیزوں سے واقف ہونا ہے۔ جیسے کہ آئی فون، سمسنگ، گیلکسی، 'ٹیسٹر' اور جو عورت آج باپ سے آگے
 ہو گئی۔ کل وہ یہ سب لیکر نہیں دے گی۔ اسکے لیے باپ کے پاس ہی آنا پڑے گا۔ تو آج ہی سوچ لو کیوں کل کو
 پچھتانا چاہتے ہو۔"

احد باپ کی گود سے اتر افرش پر رکھا فیڈر منہ میں رکھ کر ریگتا ہوا کچن سے نکل کر مصطفیٰ کے کمرے کے
 دروازے کے باہر سہارے سے کھڑا ہو کر دروازہ بجانے لگا۔ ساتھ ماما ماما بولے جا رہا تھا۔
 ضارب سینے پہ ہاتھ باندھ کر کچن کے دروازے پر ٹیک لگا کر کھڑا اسکی ساری کارروائی کو دیکھنے سے زیادہ
 گھور رہا تھا۔ پچاس سیکنڈ بعد دروازہ کھلا۔ احد جو دروازے کے سہارے سے کھڑا تھا۔ اسے نیچے بیٹھنا پڑا۔
 مگر دروازہ کھولنے والی پر نگاہ پڑتے ہی احد کے چہرے پر جو مسکراہٹ اور آنکھوں میں روشنی جاگی تھی۔
 ضارب کا غصہ اور بڑھا گئی۔

وہ یک ٹک عافیہ کو گھورنے لگا۔ جسکا دوپٹہ غائب تھا۔ بال گھل کر چہرے کے گرد ہالہ بناتے ہوئے سینے
 تک پھیلے ہوئے تھے۔

"حدی جان آپ ادھر کیسے آ گئے۔"

احد کو گود میں اٹھا کر سیدھے ہوتے ہوئے اسکی نظر ضارب پر پڑی۔ نظروں کا ٹھیک ٹھاک تصادم ہوا۔ گہری
 نیند سے اٹھنے اور دوسرا روتے رہنے کی وجہ سے آنکھوں میں سُرخی بھری ہوئی تھی۔ اور دوسری طرف ریڑھ کی ہڈی
 تک اترتی سرد آنکھیں۔

عافیہ نے نظر خرا کر واپس اندر جانا چاہا مگر ابھی نموی ہی تھی۔ جب ضارب کی آواز نے قدم روک دیئے۔
 "مصطفیٰ کا بیڈ سنگل ہے۔ تم تینوں کے لیے کافی نہیں ہے۔ اسکو ادھر ہی لے جاؤ جہاں یہ سویا ہوا تھا۔"

عافیہ کے دل میں سرد تیر پیوست ہوتا محسوس ہوا۔

”کیا تھا جو کہہ دیتا کہ اپنے کمرے میں جاؤ۔“

اثبات میں سر ہلایا۔ مُذکر ضارب کی جانب دیکھے بغیر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ سردرد سے پھٹ رہا تھا۔ مگر آنسو ایک دفعہ پھر نکل آئے۔ کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی میں بیڈ پر اپنی مخصوص جگہ پر لیٹی اُحد کو سینے سے لگا کر اپنے پہلو میں لٹایا۔ جواب بالکل سکون میں تھا۔ فیڈر پیتے پیتے ہی سو گیا۔ وہ خود بھی آنسو بہاتی بہاتی غنودگی میں چلی گئی۔

”اماں ضارب مجھے پسند نہیں کرتے۔“

وہ جوا بھی آکر لیٹا ہی تھا۔ سرگوشی سنی اور چونک کر متوجہ ہوا۔ وہ سوتے میں بڑبڑا رہی تھی۔

”میرا دل کرتا ہے۔ مرنے جاؤں۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھا۔

ہاتھ بڑھا کر لیمپ جلایا۔ پھر عافیہ کا جائزہ لیا آیا جان، بوجھ کرا سے سناتے کے لیے کہہ رہی ہے یا۔۔۔؟ وہ مکمل نیند میں تھی۔ مگر آنکھ سے پانی بہہ رہا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر واپس لیٹ گیا۔

”کچھ لوگوں سے کبھی کوئی محبت نہیں کرتا۔“ جتنا مدہم کمرے میں اجالا تھا۔ اتنی ہی مدہم سرگوشیاں تھیں۔

”بھائیوں نے بھی تو مجھے جیتے جی مار دیا ہے۔“

اب باقاعدہ سسکیاں گونجی تھیں۔ بڑی نرمی سے دو مضبوط ہاتھوں نے اس کے کانپتے ہوئے وجود کو اپنی پناہ میں لیا۔ اس کا وجود بخار میں پھنک رہا تھا۔

”جو لوگ بیٹیوں کے پیدا ہوتے ہی انہیں مار دیتے ہیں۔ وہ بہت اچھا کرتے ہیں۔“

وہ خود کو روک نہ پایا اس لیے پوچھ لیا۔

”ایسا کیوں سوچتی ہو۔“

وہ بولی۔ ”اچھا ہے ناں ساری زندگی قطرہ قطرہ مرنے کی بجائے ایک ہی دفعہ مرجاتی ہیں۔ شکر ہے کہ اللہ

نے مجھے کوئی بیٹی نہیں دی۔ صرف بیٹے دیئے ہیں۔"

مگر میں تو چاہتا ہوں۔ کہ میری بیٹی ہو۔"

اسکی بات پر وہ فوراً بولی۔ "مت مانگیں بیٹی۔ اگر اسکو اسکے بھائی ویسے ہی بھول گئے جیسے میرے بھائی مجھے بھول گئے ہیں۔ اور اسکے شوہر کو اس سے ویسے ہی نفرت ہوئی۔ جیسے ضارب کو مجھ سے ہے۔ اتنے غم اٹھانے سے بہتر ہے دنیا میں آئے ہی نہ۔"

"کیا بھائی بہت یاد آتے ہیں؟"

دھیرے سے آنسوؤں کے درمیان مسکرائی۔

"کس بہن کو نہ اپنے بھائی یاد آتے ہونگے۔"

اب اسکے آنسو ضارب کے سینے کے قریب سے شرٹ کو بھگور رہے تھے۔ وہ جانتا تھا۔ اپنے حواس میں نہیں ہے۔ اسلئے یوں اسکے اتنے قریب ہو کر باتیں کر رہی ہے۔ جو اسکی طرف دیکھنے سے بھی ڈرتی ہے۔

"ایک بات تو بتاؤ..."

"کیا؟"

"یہ ضارب کون ہے؟"

"ضارب؟؟"

"ہاں ضارب"

"ضارب محبت ہے۔"

"کس کی محبت؟"

"ضارب فارحہ کی محبت ہے۔"

اسکے جواب پر ضارب کے ہونٹوں پر بڑی گہری مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"وہ تو میں جانتا ہوں۔ کہ ضارب فارحہ کی محبت تھا۔ مگر میں تو تم سے ہو چھ رہا ہوں۔ ضارب تمہارے لئے

کیا ہے؟"

"وہ میرا تحفظ ہے۔ میرا اصل ہے۔ اماں نے سچ کہا تھا۔"

اتنی بات کر کے وہ بالکل خاموش ہو گئی۔ اس کا جسم ابھی بھی کسی تندور کی طرح تپ رہا تھا۔ وہ شاید کہیں جانتا تھا کہ اماں نے کیا کہا ہوگا۔ مگر پھر بھی پوچھ لیا۔

"کیا کہا انہوں نے؟؟"

”کس نے؟“

”اماں نے۔۔۔ کیا کہا اماں نے؟“

”وہ کہتی ہیں۔ ضارب کبھی بھی تمہیں اس گھر سے یا اپنے کمرے سے نکل جانے کو نہیں کہے گا۔“

ضارب کے چہرے پر عافیہ کا جلتا ہوا ہاتھ مس ہوا وہ کبھی اسکے ناک کو مخوفتی کبھی ہونٹوں کو سراسیمگی بھی اسکے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

" ہو سکتا ہے۔ وہ تمہیں تسلی دینے کے لئے جھوٹ بول دیتی ہوں۔ "

وہذا احتجاج انداز میں سرفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔ " میں نے خود سنا ہے۔ "

”کیا سنا ہے؟“

ضارب کو اماں سے یہ کہتے ہوئے کہ وہ شادی اپنی مرضی سے کریں گے۔ وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ میں انکی پسند نہیں۔ پر ایسا کبھی نہیں کہا کہ اس عورت کو چوٹی سے پکڑ کر گلی میں کھڑا کر دوں گا۔ بولتے بولتے اسکی آواز بھرا گئی۔

”اور اگر اس نے ایسا کر دیا تو پھر۔۔۔؟“

"پھر ایمان اٹھ جائے گا۔"

” کس پر سے ایمان اُٹھے گا۔؟“

” اچھائی پر سے محبت پر سے اور تربیت پر سے ہر چیز پر سے۔۔۔۔۔ پر آپ دعا کریں میرے لئے۔۔

صرف ایک ڈعا کرویں۔۔۔"

ضارب نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیسی ڈعا...؟؟"

"دعا کریں کہ انکو مجھ سے محبت ہو جائے۔" وہ دوبارہ سے پوری شدت کے ساتھ رونا شروع ہو گئی۔۔

” کس کو محبت ہو جائے۔۔۔؟ “

” ضارب کو اور کس کو۔۔۔ “

” کیا تم اپنی ڈعاؤں میں اسکی محبت مانگتی ہو؟۔۔ “

اس نے دو دفعہ یہ سوال دہرایا مگر جواب میں خاموشی ہی ملی۔

اس نے بڑی مشکل سے دو گولیاں پانی میں پس کر اس کے حلق سے گزاریں۔ اور اچھی طرح کوراوڑھا کر باہر آ گیا۔

☆.....☆.....☆

آنکھ کھلنے پر جو چیز سب سے پہلے دماغ نے کیچ کی وہ تھا۔ اندھیرا ’ کمرہ سارا اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور دوسری پن ڈراپ خاموشی۔ اس نے بستر ہٹا کر روٹ بدلی۔

تب ہی سفینہ کی توجہ اسکی جانب ہوئی۔ وہ اپنی وہیل چیئر پر اسکے بیڈ کے بالکل قریب بیٹھیں ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ جسکو عافیہ کے آرام کی خاطر ہی میوٹ کر رکھا تھا۔

” میرا بچہ اٹھ گیا؟ “ سفینہ کے لہجے میں بلا کی نرمی اور شفقت تھی۔

” آپ یہاں۔۔۔؟۔۔ وقت کیا ہوا ہے اماں۔ اور احد کدھر گیا ادھر میرے پاس ہی تو سویا ہوا تھا۔ “ سفینہ نے سائیڈ سے ایک ساتھ دو تین بٹن آن کئے۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔

” میری جان پہلے مجھے یہ بتاؤ کیسا محسوس کر رہی ہو۔۔؟ “

اس نے تعجب سے سفینہ کو دیکھا۔ اور اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر سفینہ نے روک دیا۔

” ارے لیٹی رہو آرام سے۔۔ جانتی بھی ہو۔ کل سے ہوش و حواس سے بیگانہ پڑی ہوئی ہو۔ خبردار ابھی پاؤں بھی بستر سے اُتارنا۔ “

اسکی نظریں میکا کی انداز میں وال کلاک کی جانب گئیں۔ پانچ بج رہے تھے۔ مگر وہ اندازہ نہ کر پائی دن کے یارات کے۔

” مگر اماں میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ پھر اتنی دیر کیوں سوتی رہی ہوں؟۔۔ “

"چند تمہیں بخار ہے۔ ڈاکٹر کل سے دو دفعہ دیکھ کر جا چکا ہے۔ دوا تو تم کھا نہیں رہی تھیں۔ اس لیے اس نے ڈرپ لگا دی۔ کہہ کر گیا تھا کہ چھ بجے سے پہلے ہوش آ جائے گا۔ اور دیکھو کتنا کرم ہوا اللہ کا تم ہوش میں آ گئیں۔" اس نے اٹھنے کی کوشش ہی کی تھی اور سرفٹ بال کے گیند جیسے گھومتا ہوا محسوس ہوا۔

"بچے کدھر ہیں۔؟؟ مصطفیٰ سکول سے آ گیا۔ یا ابھی جانا ہے۔ میں نے تو اسکا لٹچ بھی نہیں بنایا تھا۔" سفینہ نے اس کے سر پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر واپس سر ہانے پر رکھ دیا۔ اور ہاتھ اسکی پیشانی پر ہی رہنے دیا۔ "مصطفیٰ کب کا سکول سے آ گیا ہے۔ آج تو وہ سکول جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ باپ نے زبردستی کی۔ پھر بھی منہ مٹھلا کر ہی گیا تھا۔ کہتا تھا جب تک پری نہیں جاتی سکول نہیں جاؤں گا۔ دوسرے تمہارے لاڈلے نے باپ کی اگلی پچھلی ساری توبہ کروادی ہے۔ ابھی بھی ضارب کے ساتھ کسی ریسٹورنٹ سے کھانا لینے گئے ہیں۔" "سہم کر سفینہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"وہ تو بہت غصہ کر رہے ہونگے۔ احدا کو تنگ بھی تو بہت کرتا ہے۔"

"نہیں بھی کوئی غصہ نہیں کیا۔ تمہارے لئے پریشان ہے۔"

اس نے بے یقینی سے اماں کی جانب دیکھا۔ اس سے پہلے کے کچھ کہتی۔ باہر کا دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی مصطفیٰ اور احد کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ دو منٹ بعد تینوں باپ بیٹا کمرے کے اندر تھے۔ ضارب نے احد کے ساتھ ساتھ کچھ بیگنا اٹھا رکھے تھے

"پری آپ جاگ گئیں.....!"

مصطفیٰ اسے ٹیک لگا کر نیم دراز دیکھ کر ہاتھ میں پکڑے بیگ وہیں فرش پر پھینک کر بھاگتا ہوا اسکی کھلی بانہوں میں سما گیا۔

"میں نے آپ کو بہت مس کیا ہے۔ میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ آپ کو اتنی آوازیں دیں۔ مگر آپ آنکھیں ہی نہیں کھولتی تھیں۔ اور پتا نہیں کیا کیا بولتے ہوئے روئے جاتیں۔ میں ڈر گیا تھا۔ پری۔۔"

اسکا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر براہ راست اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بتا رہا تھا۔ باہر سے آنے کی وجہ سے اس کے ہاتھ ٹھنڈے تھے۔ جو عافیہ کو بڑا سکون دے گئے۔ مگر سب سے زیادہ سکون مصطفیٰ کے الفاظ اور اسکی

آنکھوں کی سچائی نے دیا تھا۔ اسکی اپنی آنکھوں میں جگنوں جگمگائے۔ مصطفیٰ کو سینے سے لگا کر گہرا سانس خارج کیا۔ اور اسکے کان میں سرگوشی کی۔

”یہ دنیا کا خوبصورت ترین اظہار محبت تھا۔“

”اینڈ آئی مسڈ یو۔۔۔!!“

”مصطفیٰ یا راہنا وزن اوپر رکھو کہیں محترمہ پھر سے بے ہوش ہوتی ہیں۔“

ضارب کی بات پر مصطفیٰ نے اٹھنا چاہا مگر عافیہ نے اسکو مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔

احد اسکو دیکھ کر رونے لگا۔ ضارب نے اسے بھی عافیہ کے اوپر ہی ڈال دیا۔

”مصطفیٰ اپنے ہاتھ دھو کر دادو کے بھی دھلوادو۔ میں کچن سے برتن لیکر آتا ہوں۔“

ضارب کمرے سے نکل گیا۔

سفینہ نے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ اور مسکراتے ہوئے ان تینوں کو دیکھا۔ جو اس طرح

ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے تھے جیسے نہ جانے کتنے سالوں کے چھڑے ہوئے ملے ہوں۔

مصطفیٰ ہاتھ روم سے تولیہ گیلے پانی سے جھگو کر لے آیا۔ سفینہ نے ہاتھ پونچھنے کے بعد کھانا ڈش آؤٹ کیا۔

”ضارب عافیہ کو سہارا دیکر ہاتھ تک لے جاؤ۔ منہ دھو کر چیخ کر لے۔“

سفینہ کے کہنے پر وہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا اسکی جانب آیا۔ احد کو بیڈ کے درمیان بیٹھا دیا۔

”نہیں اسکی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود سے چلی جاتی ہوں۔“

ضارب کا بڑھا ہوا ہاتھ لینے کی بجائے اس نے سفینہ کو دیکھ کر کہا تو ضارب کو تپ ہی چڑھ گئی۔

”دیکھا اماں آپ نے۔ رسی جل گئی ہے۔ پر محترمہ کے بل نہیں گئے۔ اگر اتنا ہی مدد نہ لینے کا شوق ہے تو

خبردار آئندہ اپنے ان بگڑے بچوں کو میرے لئے چھوڑ کر بیمار ہوئیں۔ ماں کی تیمارداری کے لئے خاص طور پر

بیوی لیکر آیا ہوں۔ اور بیوی الٹا مجھ سے تیمارداری کروارہی ہے۔“

”اچھا اچھا اگر دو دن پیسی بدل دی ہے۔ تو کوئی ہم پر احسان نہیں کیا۔ اپنے بیٹے کی ہی بدلی ہے۔ میری بیٹی

پر زیادہ رعب جھاڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

سفینہ نے ضارب کا حساب برابر کرنا چاہا۔ پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

”اٹھو بیٹی جا کر منہ دھو آؤ۔ تاکہ گچھ کھا سکو۔ دیکھو ذرا دودن میں ہی رنگت کیسے پہلی ہو گئی۔ جاؤ شاہاں ضارب مدد دیتا ہے۔“

ناچار اسے اٹھنا پڑا۔ اور تب احساس ہوا۔ خود سے تو کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ کہاں ہاتھ تک جانا۔

اس نے ضارب کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور اپنے چہرے پر پڑنے والی ضارب کی نظروں کے ساتھ ساتھ اسکے وجود سے اٹھتی مسخور لگن خوشبو کو انور کرتی آگے بڑھ گئی۔

ضارب اسے ہاتھ تک چھوڑ کر خود باہر ہی کھڑا ہو گیا۔

اس نے منہ ہاتھ دھو کر کھلے ہوئے بالوں کو جوڑے کی شکل دی جواب تک گھونسلایا ہی بن چکے تھے۔ کچر میں قید کر کے دانت برش کر کے باہر آ گئی۔

ضارب دروازے کے قریب ہی تھا۔ ایک دفعہ پھر اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ عافیہ نے اسکے ہاتھ میں ہاتھ دینے کی بجائے اس دفعہ اسکے بازو کو پکڑ لیا۔

بیڈ کے قریب آ کر اس نے ضارب کا بازو چھوڑ دیا۔ اور بیڈ پر پڑا کبل کھینچ کر تہہ کر کے ایک سائیڈ پر رکھ دیا۔ احمد کو فرش پر کھڑا کرنے کے بعد بیڈ کی چادر جھاڑ کر دوبارہ سے بچھا دی۔ سفینہ منع ہی کرتی رہ گئیں تھیں۔

اس سارے عمل کے دوران اسکے ذہن سے ایک بات محور ہی۔ وہ یہ کہ وہ شاید زندگی میں پہلی بار کسی مرد کے سامنے دوپٹے کے بغیر کھڑی تھی۔

اور ساتھ ہی ساتھ اس بات سے بھی لاعلم تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ بے ہوشی کے دوران کیا کیا بولتی رہی ہے اور کس سے بولتی رہی ہے۔ اسی طرح اس بات سے بھی لاعلم تھی۔ کہ ضارب کی نظر بھٹک بھٹک کر بار بار اسی کی جانب کیوں اٹھ رہی تھی؟

”عافی تم سوپ لوگی یا بریانی؟“

سفینہ سے اس سے پوچھا پھر خود ہی سوپ کا مشورہ دیتے ہوئے۔ باؤل میں سوپ ڈال کر اسکی طرف بڑھایا۔ ضارب اور مصطفیٰ بریانی اور کباب کے ساتھ انصاف کرنے میں مصروف تھے۔ آدھا دھیان ٹی وی کی

جانب تھا۔ اس نے علیحدہ سے پیالی میں سوپ ڈال کر احد کو بھی پلایا۔ اپنا باؤل ختم کر کے دوا بھی لی۔ اتنے میں ہی اسے بے انتہا سردی محسوس ہونے لگی۔ احد کو گود میں لیکر کمبل اوڑھ کر نیم دراز ہو گئی۔ احد تو نہیں سویا مگر وہ ایک دفعہ پھر بے خبر ہو گئی۔

”ضارب دیکھو ناں عافی پھر سے سو گئی ہے۔“

ضارب برتن اٹھانے لگا۔

”فکر کی بات نہیں ہے اماں ڈاکٹر نے نیند کی ایک گولی ساتھ دی ہے۔ دوبارہ اٹھے گی تو بہتر محسوس کرے گی۔ آپ کے لئے چائے لاؤں۔؟؟۔“

”ہاں لے آؤ اگر اپنے لئے بنا رہے ہو تو۔ ورنہ رہنے دو۔ اور جانے سے پہلے احد کو بیڈ سے اتار دو۔ ٹک کر تو بیٹھتا نہیں کہیں گر جائے گا۔“

”مصطفیٰ ذرا بھائی پر نظر رکھو گھرے نہیں۔ میں اسکا وا کر لیکر آتا ہوں۔“

دو چکر لگا کر اس نے سارے برتن اٹھائے۔ اور ویسے ہی دھونے والے ہی سنک پر پہلے سے رکھے ڈھیر کے ساتھ رکھ دیئے۔

احد کو باہر ہال میں لا کر وا کر میں ڈالا۔ مصطفیٰ کا قاری آ گیا۔ ضارب نے تین کپ چائے بنائی۔ قاری صاحب کو ایک کپ دینے کے بعد اپنی اور اماں کی چائے لیکر ہال میں اماں کے پاس آ گیا۔

”اب تو تم سمجھ گئے ہو گے کہ عافی کی تمہاری زندگی میں کتنی ضرورت ہے۔“

چائے سے اڑتی بھاپ سے نظر ہٹا کر اس نے ماں کو دیکھا۔

”بھلا وہ کیسے۔۔۔؟“ وہ واقعی نہیں سمجھتا تھا۔

”ارے بھئی دو دن بیمار ہوئی ہے اور تمہاری ساری روٹین اتھل پتھل ہو گئی ہے۔“

وہ دل کھول کر مسکرایا۔

”اماں کسی بھی انسان کو اپنی ضرورت کے لیے یاد رکھنا اس کی توہین ہے۔ ایسی روٹین کی خرابی اگر نوکر چھٹی کر لیں۔ تب بھی پیش آ جاتی ہے۔ تو اس میں آپکی بہو کی اہمیت کا پہلو کہاں سے نکلتا ہے۔ اگر میں آج ہی کوئی

آیا رکھ لوں اور دوسرے اوپری کاموں کے لئے نوکر لے آؤ تو تب آپکی چیت کی تو اس گھر میں کوئی جگہ نہیں بچے گی۔"

"اُسکی حیثیت اور اہمیت تو تم اپنے بیٹوں سے پوچھو۔"

"اُس سے میں انکاری نہیں ہوں۔ اس نے بچوں کے دل میں اپنی جگہ بنائی ہے۔ مگر مجھے اپنی زندگی میں ایک بیوی چاہیے نوکرانی نہیں۔ اور یہ بات میں پہلی دن سے کلیر کر چکا ہوا ہوں۔ آپ پتا نہیں کیوں بھول جاتی ہیں۔ اور اگر آپ کو غلط فہمی ہے کہ میں اپنی رائے بدل لوں گا۔"

سفینہ نے اسے درمیان میں ہی ٹوکا۔ "چلو تم اپنی رائے نہ بدلو پر عافی تو بدل سکتی ہے ناں۔ ہو سکتا ہے وہ ویسی بن جائے۔ جیسی عورتیں تمہیں پسند ہیں۔"

اب کہ وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "آپ نے تو جیسے اپنا لائف مشن بنایا ہوا ہے۔ کہ کسی بھی طرح اس عورت کو میرے دل تک پہنچانا ہے اور بس۔ پیاری ماں دل کی دنیا میں زور زبردستی نہیں چلتی کئی دفعہ ساری عمر گزر جاتی ہے منتیں مانگتے اور حاصل نہیں ملتا۔ کئی دفعہ بن مانگے عطا ہوتا ہے۔ اور بے انتہا ملتا ہے۔ اسلیے اپنی اُمیدیں زیادہ اونچی نہ رکھیں۔"

"تمہیں اُس پر ترس نہیں آتا؟ یتیم بچی ہے۔ اتنے اعلیٰ اخلاق والی۔ تمہارے بچوں پر جان دیتی ہے۔ پھر بھی تمہارا دل اُسکی طرف مائل کیوں نہیں ہوتا۔"

"ترس کھا کر کسی کو دل کی سلطنت کا بے تاج بادشاہ نہیں بنایا جاتا بھولی ماں۔ ہاں تنہائی میں دوچار دل لگی کی باتیں ایک دوزم نگاہیں آٹھ دس تعریفی کلمے بولے جاسکتے ہیں۔ جو میں آلریڈی کر رہا ہوں۔ اس سے آگے اگر وہ کچھ چاہتی ہے تو اپنے زور بازو پر حاصل کرے۔ آئے میرے مقابل اور فتح کر لے۔ اتنی بڑی آفر دے رہا ہوں۔"

"تم سے باتوں میں کبھی کوئی جیتا بھی ہے۔ اپنے شو میں بھی سب کی بولتی بند کرتے ہو اور گھر پہ بھی۔"

وہ دل کھول کر ہنستے ہوئے بولا۔ "آپ کو تو اپنے بیٹے کی خداداد صلاحیت پر فخر ہونا چاہیے۔"

"ہاں بھئی بڑا فخر ہے۔ ویسے چائے تمہاری بالکل بھی مزے کی نہیں ہے۔"

اُس نے فوراً کسی بحث کے بغیر ہاں میں ہاں ملائی۔

"I know it taste rubbish"

"چلو شکر ہے۔ تم نے میری کسی بات سے تو اتفاق کیا۔"

ضارب ایک دفعہ پھر مسکرایا۔

"جو بات سچی ہوگی وہاں کیوں انکار کروں گا۔ کوئی پاگل تھوڑی ہوں۔"

"By the way I am m a w a n t e d o t a l k t o y o u o n a v e r y
s e r i o u s n o t e"

"ہاں بولو۔۔"

ضارب کی نظریں اپنے وا کر میں کھیلنے اُحد پر تھیں۔ "میں چاہتا ہوں۔ آپ یہ گھر عافیہ کے نام کر دیں۔"
دونوں کے درمیان کچھ پل کی خاموشی چھا گئی۔

"یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟۔۔"

"مجھے لگتا ہے۔ آپ کو اپنی بہو کو لیکر مجھ سے جو انسکج رٹی ہے۔ اسے ختم کرنے کا یہ بہترین حل ہے۔ گھر اُسکے
نام ہوگا۔ کل کو میں شادی کرتا بھی ہوں۔ عافیہ کی اس گھر میں اپنی جگہ ہوگی۔ یا پھر یہ سمجھ لیں جو محبت وہ ان بچوں
کو دے رہی ہے اسکا پے بیک دینا چاہتا ہوں۔"

"پہلی بات تو یہ ہے ضارب مجھے نہیں لگتا بچوں کے ساتھ اسکا پیار کسی پے بیک کے لالچ میں ہے۔ دوسری
بات یہ گھر تمہارا ہے۔ تم عافیہ کے نام کرو یا کسی اور کے مجھے اس پے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"نہیں اماں یہ گھر میرا نہیں آپکا ہے۔ میں اگر یہ گھر اس کے نام کروں گا۔ تو آپکے اکاؤنٹ میں پیسے ڈال
دونگا۔"

"Let's be realists m a a"

"میں شادی کروں۔ آنے والی کو یہ گھر عافیہ کو دینے پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں کوئی نئی جگہ بھی اسکے نام
سے خرید سکتا ہوں۔ پر میری ذاتی رائے یہ ہے اس جگہ کو وہ اب اپنا گھر سمجھتی ہے۔ اور جب میرے بس میں بھی

ہے۔ تو کیوں نہ دوں؟"

"تمہاری باتوں سے تو لگ رہا ہے شادی ضرور کرو گے۔"

"ساتھی کی خواہش ہونا کوئی گناہ تو نہیں۔"

"چلو اچھی بات ہے۔ پھر تو لڑکی بھی سوچ رکھی ہوگی۔"

"وقت آنے پر بتا دوں گا۔ ابھی تو میرے شوکا وقت ہو رہا ہے۔ مجھے دو تین گھنٹوں کے لئے اجازت دیں۔"

جاتے میں چوکیدار کی بیوی کو ادھر بھیج جاتا ہوں۔ فکر نہ کریں جلد آنے کی کوشش کروں گا۔"

سفینہ کو لاتعداد سوچیں دیکر خود تک سبک سا تیار ہو کر نکل گیا۔

باہر ہال سے چوکیدار کی بیوی اور اماں کی باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ اور اندر وہ اپنی سسکیوں پر قابو پانے

کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی۔ سر درد برداشت سے باہر ہوتی محسوس ہوئی تو سائیڈ دراز پر رکھی دوا میں

سے دو خوراک پانی کے ساتھ ایک دفعہ میں نگل لی۔

کانوں میں مسلسل ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔

"ساتھی کی خواہش ہونا کوئی گناہ تو نہیں۔"

"تو شادی ضرور کرو گے۔"

اس نے خود کو نرمی طرح جھڑکا۔

"تمہارے ساتھ وہ سات جنم ساتھ نبھانے کے وعدے کر کے تو تمہیں بیاہ کر نہیں لایا تھا۔ اپنی ماں کے مجبور

کرنے پر ضرورت کے تحت نکاح کیا تھا۔ پھر تم کیوں مر رہی ہو؟۔ رہنے کو عزت والی چھت مل رہی ہے۔ کیا یہ کم

ہے؟۔ اور جن کو اپنے خونی رشتے نہ پیار دیں۔ انہیں کوئی دوسرا کیوں جان و دل دے؟؟ اسلئے یہ ناشکری کی

چادر اتار ہمت پکڑ اور اٹھ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کر۔ مروت میں کوئی ساری عمر کسی کو بیٹھا کر نہیں کھلاتا۔"

دوبارہ آرام کرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ گھومتے ہوئے سر کے ساتھ الماری سے اپنا صاف لباس نکال کر نہانے

گھس گئی۔ گرم پانی کا لبا ہاتھ لیکر نکلی تو طبیعت پر اتنا بوجھ نہ رہا تھا۔ ہاتھ سے باہر آئی تو دونوں بھائی بیڈ پر

براجمان ملے۔ بے اختیار دونوں کے بوسے لئے۔

”اس عورت کو کیا کمی ہوگی۔ جس کے پاس ایسے پیارے ہیرے ہوں۔ وہ بھی تو وقت تھا۔ جب یہ بھی نہیں ملے تھے۔ سچ ہے انسان کبھی شکر کرنا نہیں سیکھتا۔ ایک وقت میں یہ دکھ تھا۔ اولاد نہیں ہے۔ آج اولاد ملی تو یہ دکھ کھارہا ہے کہ مرد نہیں ملا۔ ویسے اللہ پاک اگر اسکے دل میں میرے لیے جگہ نہیں تو میرے دل سے بھی اسکا خیال نکال دیں۔ آمین۔“

سفینہ نے اسکو متحرک دیکھا۔ فوراً روک دیا۔

”خدا کا نام لو۔ کام کہیں بھاگے تھوڑی جا رہے ہیں۔ دو دن آرام کر لو۔ جس دن کی آئی ہو مشین کی طرح گھن چکر بنی ہوئی ہو۔ اسی لئے بیمار بھی پڑی ہو۔“

(بیماری جسمانی تھکاوٹ کی ہرگز نہیں۔ مردہ دلی نے دی ہے) کہہ نہ سکی بس سوچ پر اختیار تھا۔

”اماں فکر نہ کریں ناں۔ اب میں بہتر محسوس کر رہی ہوں۔“

سب سے پہلے احد کو نہلا کر اسکے کپڑے بدلے۔ مصطفیٰ کا یوٹیفارم دھویا۔

”اماں کھانا لے آؤں؟۔۔“

سفینہ نے کتاب سے سر اٹھایا اور ٹینک کے پیچھے سے اسکو گھورا۔

”شام میں ہی کھایا ہے۔ اسلیے بھوک نہیں بس دودھ کا گلاس لے لوں گی۔“

”اچھا میں نے گرم کیا ہے۔ لا دیتی ہوں۔ چینی ڈالوں؟“

”نہیں مت ڈالنا۔۔“

مصطفیٰ نے کباب رول کی فرمائش کی اسکو اس نے وہ بنا دیا۔ احد کو نوٹس اور کھیر کھلائی۔

بچوں کو سلا کر اور اماں کو دودھ وغیرہ دیکر فارغ ہونے کے بعد پہلے کمرہ صاف کیا۔ پھر کچن میں آئی۔ حالانکہ

سفینہ نے منع بھی کیا کہ ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ کچن میں مت جانا۔ جا کر اب آرام کرو۔ مگر وہ برتنوں کا ڈھیر اور پھیلاوا

چھوڑ کر سونے کے لئے نہیں لیٹ سکتی تھی۔ پہلے سارا کچن صاف کیا اور ابھی آدھے برتن ہی دھوئے تھے۔ باہر

گاڑی کی آواز تو نہ آئی مگر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز با آسانی آگئی۔

دل اک لمحے کو چونکا پھر مصروف ہو گیا۔

وہ سیدھا اماں کے پاس آیا۔

”اسلام علیکم بچے سو گئے؟ چوکیدار کی بیوی نے کھانے کو کچھ دیا کہ نہیں؟“

سوال کرنے کے ساتھ ساتھ جیکٹ اتار کر بیڈ پر رکھنے کے بعد اپنے کف فولڈ کرنے لگا۔

سفینہ نے ناراض سی نظر اس پر ڈالی۔ ”تیاری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بستر چھوڑ کر شام کی ہی کاموں میں لگی ہوئی ہے۔ ابھی بھی کچن چمکا رہی ہے۔“

”کون؟“

”کون سے کیا مطلب؟ گھر میں عورتیں ہی کتنی ہیں۔ میں تو ادھر تمہارے سامنے ہوں۔ دوسری جو تمہیں

نظر نہیں آ رہی اسی کی بات کر رہی ہوں۔“

وہ انہیں قدموں پلٹا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کچن کے دروازے میں کھڑا ہو کر دھاڑا۔

"Are you suffering from a Goddam mental disorder?"

What the hell are you doing to yourself."

عافیہ کو اپنے آپ پر حیرت ہوئی۔ نہ دل اچھل کر حلق میں آیا۔ نہ ڈر سے ہاتھ کپکپائے۔ نہ روح کانپی بلکہ بالکل الٹ ریمیکشن جاگا تھا۔ جی میں آیا اسی کی طرح غصے سے چلا کر بولے۔

”اندھے ہو نظر نہیں آ رہا برتن دھور ہی ہوں۔“

”میڈم عافیہ کمال صاحبہ میں آپ سے مخاطب ہوں۔“

اب کے وہ سر پہ کھڑا ہو کر سوال کر رہا تھا۔ مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر تیزی سے ہاتھ چلاتی رہی۔ اُسکی طرف دیکھا بھی نہیں۔

ضارب اپنی جگہ جی بھر کر حیران ہوا۔ بلکہ حیرت کے مارے بہت بن گیا۔ کتنی دیر بعد آخری تسلی کے طور پر عافیہ کے ہاتھ سے وہ پلیٹ لینی چاہی۔ جسے اس وقت وہ پانی کے نیچے رکھ کر اس پر لگا سا بن دھور ہی تھی۔

نہ تو عافیہ نے پلیٹ پر اپنی گرفت ڈھیلی کی نہ ہی چہرے کے تاثرات بدلے۔

ضارب کے بھنویں اوپر کر شوٹ کر گئے۔ چند سیکنڈ اسکا چہرہ پڑھتا رہا پھر خود ہی پلیٹ چھوڑ دی۔ اور آرام

سے بولا۔ "سرسام کروالوگی اور میں بچے بالکل نہیں سنبھالوں گا۔"

(تم بچوں کو نہیں۔ اپنی ہونے والی بیوی کو سنبھالنا۔) ایک لمحے کو تو اپنے اندر سے اٹھنے والی آواز پر اس کے اپنے ہاتھ تھم گئے۔ پھر فوراً سے جو دو چار گلاس کپ بچے تھے۔ انہیں بھی ٹھکانے لگا کر کچن سے نکل آئی۔
ضارب کو کھانے کا بھی نہیں پوچھا۔

وہ پہلے ہی جا کر سفینہ کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھا ساری صورتحال پر غور و خوض کر رہا تھا۔ جب وہ کمرے میں آئی۔ ہاتھ میں ایک کمبل تھا۔ جسے سنور روم سے نکال کر لائی تھی۔

"اماں آپکو کوئی چیز چاہیے؟۔۔"

"نہیں مگر تم دو الیکر مونا۔ کچھ کھانا کھایا؟"

"نہیں بھوک نہیں محسوس ہو رہی۔ اور دوا میں نے ساری کھالی اور بچی ہی نہیں۔"

وہ تو پہلے ہی حیرتوں کے پہاڑ تلے بیٹھا تھا۔ اب سفینہ کا منہ بھی کھلا رہ گیا۔

"کیا مطلب تین وقت کی دوا ایک وقت میں کھالی؟؟"

"ہاں۔۔"

انکا اگلا سوال بھی فوراً تیار تھا۔ "مگر کیوں اور ان میں تو نیند کی گولیاں بھی تھیں۔"

"بستر پر پڑے رہنے کا دل نہیں کر رہا تھا۔ اور نیند والی گولیاں میں نے نکال دی تھیں۔ ایک ابھی کھا کر آئی ہوں۔ مگر کوئی خاص کام نہیں کرتی ہیں۔"

اپنی بات پوری کرنے کے دوران ضارب کو مکمل طور پر اگنور کیا یوں جیسے وہاں اماں اور عافیہ کی علاوہ کوئی تیسرا وجود ہے ہی نہیں۔ کمبل کھول کر سیدھا کیا۔ اماں کے برابر بیڈ پر لیٹ کر بولی۔

"اچھا اماں شب خیر... سر تک کمبل تانا اور غائب ہو گئی۔"

ضارب نے اماں کی طرف دیکھا اور انہوں نے ضارب کی طرف۔۔

اگلے لمحے وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ عافیہ کا سر تک تانا کمبل کھینچ کر چہرے سے ہٹایا۔

"تمہاری یادداشت کے ساتھ کوئی مسئلہ تو نہیں؟۔ پرسوں مصطفیٰ کے کمرے میں گھسی ہوئیں تھیں۔ آج

ادھر اماں کو ڈسٹرب کرنے لیٹ گئی ہو۔ اپنے کمرے کا رستہ یاد کیوں نہیں رہتا۔؟۔"

اس دفعہ وہ اپنی زبان پر کنٹرول نہ رکھ پائی۔ تڑخ کر بولی۔

"کیونکہ ضارب صاحب میرا کوئی کمرہ ہے ہی نہیں۔ آپ کے کمرے میں آپکو ڈسٹرب کرنے سے بہتر ہے کہ میں اپنی ماں کو ہی ڈسٹرب کر لوں۔ اور ویسے بھی کل کو جب آپکی بیوی آئے گی۔ تب آپ خود مجھے ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے سے نکالتے بہتر ہے میں خود ہی نکل آئی۔"

اس کے ساتھ ہی کمبل واپس اوڑھ لیا۔

"اماں اسکو سمجھا لیں ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ میری آنے والی بیوی کی انسلٹ کر رہی ہے۔ میں کیوں اپنی جان جگر کو ایسے کمرے میں رکھوں گا۔ جہاں اسکے بچے کی گندی نیپیاں بدلی جاتی ہوں۔ اور ہر طرف بخار کے جراثیم بکھرے پڑے ہوں۔ میں اسکے لیے اسکی شایان شان گھر بناؤں گا۔"

ضارب کی بات نے اتنی آگ لگائی کہ اس نے کمبل چہرے سے ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ہاں تو کون روک رہا ہے آپ کو؟ کس نے پاؤں پکڑے ہیں۔ کس نے منتیں کی ہیں۔ جائیں بلکہ ابھی جائیں اپنی جان جگر کے پاس۔۔۔۔"

"دیکھ رہی ہیں آپ یہ میرے ساتھ کس قدر بدتمیزی کے ساتھ بات کر رہی ہے۔ اور آپ اسکو بڑا اچھا اور معصوم سمجھتی ہیں۔ میں نہیں کہتا تھا کہ یہ سب ڈرامے کر رہی ہے۔ ایک دن اپنا اصل روپ دکھائے گی اور اب دیکھ لیا آپ نے۔ آج میرے ساتھ ایسے منہ ماری کر رہی ہے کل کو آپ کے ساتھ کرے گی۔ آپ کی تو پسندیدہ بہو ہے آپ معاف بھی کر دیں گی۔ مگر میں ہرگز معاف نہیں کروں گا اگر اس نے میری بیوی کے ساتھ ایسا کوئی رویہ رکھا۔"

صدے کے مارے وہ کتنی دیر کوئی جواب ہی نہ دے سکی۔ بھرپور کوشش کر کے اپنے آنسوؤں کا راستہ روکتی رہی۔ جب تھوڑی کامیابی ہوئی تو بولی۔ "کوشش کیجیے گا۔ وہ میرے سامنے نہ ہی آئے۔ بات تو کوئی نہیں کرو گی پر ہو سکتا ہے اسکو جان سے ضرور مار دوں۔۔۔"

"اگر تم مجھے انڈر پریشر کرنا چاہ رہی ہوناں۔ کہ تمہارے ڈر سے شادی نہیں کروں گا۔ تو محض وقت ضائع کر

"آپ میری بلا سے کل کے کرتے آج کریں۔ مگر مجھے تو سونے دیں۔"
واپس کمبل کے اندر۔

ضارب نے اسکے سر کو گھورا پھر ماں کی طرف جتنا ہی نظروں سے دیکھا۔ جنہوں نے نظروں سے ہی کہہ دیا۔
"یہ ہوئی نہ بات۔" پر زبان سے بولیں۔ "ضارب اسکی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اب اسکو مزید تنگ نہ کرو۔ جا کر سو جاؤ۔"

وہ اسی وقت تا بعداری کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھ گیا۔
عافیہ نے کمبل کے اندر ہی دروازہ کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز سنی سارا ضبط جواب دے گیا۔
آنسو زکنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے۔

سفینہ کی آواز آئی۔ جو کہہ رہی تھیں۔ "اپنی مرضی سے یہاں آئی ہو تو اب رونا کیوں آرہا ہے؟۔"
سسیوں کو انڈر کنٹرول کرتی ہوئی بمشکل بولی۔ "کب رو رہی ہوں۔"
سفینہ نے کسی کے اشارے پر دوبارہ پوچھا۔ "عافی تمہیں اتنا رونا آ کیوں رہا ہے؟۔"

"مجھے خود نہیں علم اماں کیوں پردل کرتا ہے۔ اتنا رڈوں کہ مر رہی جاؤں۔ اماں کیا تھا۔ اگر آپ کے بیٹے کے
دل میں تھوڑی سی جگہ میرے لئے بھی ہوتی۔ جو ابھی آئی ہی نہیں وہ جان جگر اور میں فقط آپ کی بہو۔۔۔۔۔۔ یہ
کہاں کا انصاف ہے۔ انسان کسی کے دل میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ جائے اور خود اپنے دل کے دروازے بھی اگلے
پر بند کر دے۔ ویسے اپنے شو میں بڑی انصاف اور سچائی کی باتیں کرتے۔۔۔۔۔۔"

اپنے جوش میں اٹھ کے بیٹھ کر سفینہ کی جانب مڑی تھی۔ مگر دروازے کے قریب رکھی۔ ٹر سی پردہ لائٹ بیلو
جینز کی شرٹ اور کالے ڈریس ٹراؤزرز میں ٹانگ پر ٹانگ جمائے ایک ہاتھ گال کے نیچے رکھ اور دوسرا کرسی کے
بازو پر رکھے بڑے اعتماد توجہ اور سنجیدگی سے نہ صرف اسے سن رہا تھا۔ بلکہ اب دیکھ بھی رہا تھا۔ دونوں کی نظریں
میں تو وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔

"نہیں خیر اب میں اتنا بھی ظالم نہیں ہوں۔ صرف اماں کی بہو ہی نہیں۔ تمہیں اپنے بچوں کی ماں بھی مان

گیا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا چاہتی ہو؟

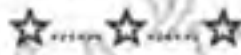
شرمندگی کے مارے اسکو سانپ سونگھ گیا۔ کیا وہ کمرے سے گیا نہیں تھا۔ جی چاہا چلو بھر پانی میں ڈوب مرے۔

عافیہ کی شکل دیکھ کر ضارب کو ہنسی تو بہت آئی مگر ہنسا نہیں بلکہ یہ سوچ رہا تھا۔ اگر اسکو بتا دوں بیماری کے دوران کیا کیا دکھ سکھ کرتی رہی ہو تو اسکی حالت کیا ہو۔ ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوا۔

”اپنی اماں کے ساتھ سونا چاہتی ہو تو شوق سے سو جاؤ۔ صبح مجھے سات بجے اٹھا دینا ایک مورنگ شو میں جانا ہے۔“ اب کی دفعہ وہ وہاں سے چلا گیا۔

عافیہ نے اپنی آنکھوں سے اُسے جاتے دیکھا۔ پھر شکوہ بھری نظر اماں پر ڈالی۔ جو ہنسی ضبط کرنے کے چکر میں لال ٹماٹر ہو رہی تھیں۔

”آپ نے اچھا نہیں کیا۔“ سفینہ کی ہنسی دیر تک کمرے میں گونجتی رہی۔
عافیہ نے انہی کی گود میں سر نہپایا۔ سفینہ نے اسکی پیشانی چوم کر ڈھیروں ڈعائیں دیں۔



مصطفیٰ کب کا سکول جا چکا تھا۔ احد نے ناشتہ کرتے وقت اچھا خاصہ کام بنایا تھا۔ ابھی وہ اسکو دھو کر لائی تھی۔ ضارب آٹھ بجے ناشتہ کئے بغیر گھر سے نکلا تھا۔ کیونکہ پرائیویٹ ٹی وی چینل کا آفس شہر کے دوسری طرف واقع تھا۔ سفینہ بھی ٹی وی کے سامنے بیٹھیں چائے پی رہی تھیں۔

عافیہ احد کو فراورز پہنانے کے دوران سفینہ کو بھی دیکھ رہی تھی۔ جنکا سارا ادھیان ٹی وی سکرین کی جانب تھا۔ جہاں ہوسٹ بڑا دکھی سا ماحول بنا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ سارا سیٹ ہی کالے رنگ سے بنایا گیا تھا۔ میوزک اُس سے بھی اعلیٰ۔

”اماں آپ کا بیٹا پہلی دفعہ تو ٹی وی پر نہیں آرہا۔ انکا شو تو اتنے شوق سے نہیں دیکھتی ہیں۔ پھر آج کیا نیا ہے؟“ سفینہ نے ہنستے ہوئے کپ میز پر رکھا۔ ”نیا یہ ہے کہ اس شو دمی سی ہوسٹ کی بے عزتی ہوئی ہے۔ وہ بھی تمہارے شو ہر کے ہاتھوں۔“

اس نے حیران ہو کر ایک دفعہ اماں کو دیکھا پھر سکرین پر نظر آنے والی جلوے لگاتی ادائیں دکھاتی خوبصورت سی ہوسٹ کو دیکھا۔

”وہ بھلا اتنی پیاری لڑکی کے ساتھ تلخ کلامی کیوں کریں گے۔ ایسے خسن کے سامنے تو انسان کی بولتی ہی بند ہو جائے۔ میں وہاں ہوتی تو سچی میں بیٹھ کر اسے دیکھتی ہی جاتی۔“ سفینہ نے فوراً کہا۔

”تو ضارب کے ساتھ چلی جانا تھا۔ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ جا کر قریب سے دیکھ لیتیں میک اپ کی تہیں۔ احد کو گود میں لٹا کر اسکی آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہوئے وہ مسکرا رہی تھی۔“

”آپ کیا چاہتی ہیں۔ وہ مجھے گھر سے ہی بے دخل کر دیں۔۔۔۔۔“

”احد کو اپنے سامنے کھڑا کیا اور اسکے صدقے واری گئی۔“

”ماشا اللہ اماں دیکھیں ناں میرا شہزادہ کتنا پیارا ہے۔ میں سارا دن بھی اسکی صورت دیکھتی رہوں ناں تو میرا دل نہیں بھرتا۔ جی چاہتا ہے چوم چوم کر اسکے گال گھسا دوں۔“

ابھی بھی وہ اسکو والہانہ چوم رہی تھی۔ اور احد نہ امانے کی بجائے اسی کی گود میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔

سفینہ شفقت بھری نگاہوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ کمرشل بریک ختم ہوئی۔

جانے کب ہوں گے کم اس دنیا کے غم۔۔۔ نصرت فتح علی خان مرحوم کی بنائی گئی ذہن بجی پھر ہوسٹ نے اپنا کام شروع کیا۔

”اسلام علیکم ناظرین۔۔۔ ہر صبح کی طرح آج بھی اپنا نرم گرم بستر چھوڑ کر آپکی ہوسٹ آپکے سامنے حاضر ہے۔ مگر ہمارا آج کا شو کسی شادی کی تقریب یا ساس بہو کے جھگڑے کی بجائے بہت ہی سنجیدہ مسئلے پر بات کرے گا۔ یہ ہی سمجھئے کہ آج ہم اس معاشرے کی سب سے بڑی نا انصافی پر تبصرہ کریں گے۔ ایک ایک ایسے روگ کا تذکرہ ہوگا کہ جو پچھلے لمبے عرصے سے ہمارے معاشرے کو گھسن کی طرح کھوکھلا کرتا آرہا ہے۔“

ناظرین یہ صرف میرے یا جو لوگ اس وقت سٹوڈیو میں موجود ہیں انکے گھریا زندگی کی کہانی نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے معاشرے کا ہر دوسرا گھریا پھر اگر میں مزید کلیئر کروں تو ہر گھر کی عورت 'ماں' بیٹی اور بہن کا مسئلہ ہے۔

ہاں جی ناظرین آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ اپنے آج کے شو میں ہم بات کریں گے۔ مردوں کی برتری کی۔

جیسے کے آپ میں ہم سب واقف ہیں۔

Pakistan's Maledominant Society

جہاں پر عورتوں کے حقوق ہمیشہ مارے گئے ہیں۔ چاہے ہم تعلیمی میدان کی بات کریں۔ گورنمنٹ سیکٹر کی بات کریں۔ میڈیا کی بات کریں۔ نوکریوں کو دیکھ لیں۔ ہر طرف ہر شعبے میں مردوں کی حکمرانی ہے۔ یہاں تک کہ گھروں میں جو فیصلے عورتوں کے لئے کئے جاتے ہیں۔ ان میں بھی انکو دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال باہر کیا جاتا ہے۔

نہ تو عورت کا وجود کوئی اہمیت رکھتا ہے۔ نہ اسکی سوچ اسکی شخصیت کی کوئی اہمیت ہے۔ ایک بے زبان جانور کی طرح ساری زندگی اسکو ڈیک کیا جاتا ہے۔

اسی معاشرتی زیادتی پر بات کرنے کے لئے ہمارے پاس قابل احترام مہمانان گرامی موجود ہیں۔ جن میں سمیرا اکرام صاحبہ ہماری ہر دل عزیز سب کی جانی پہچانی اور پسندیدہ ہیومنیشن ہیں۔ ساتھ میں فیشن ڈیزائننگ بھی کرتی ہیں۔ نہ صرف پاکستان میں بلکہ انٹرنیشنل لیول پر کام کرتی ہیں۔

”میم ہم آپکو اپنے شو میں خوش آمدید کہتے ہیں۔“

انکے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ راجہ ابصار صاحبہ آپ کا تعلق بار لاء سے ہے ہیر سٹر ہیں۔ کافی مشکل کیس آپ نے جیتے ہوئے ہیں۔ خاص کر آج کے ہماری ویکٹم کو مشورے سے نوازیں گی۔ کہ کیسے وہ اپنے ظالم شوہر اور سنسریوں سے نمٹیں۔

Mam it's pleasure to have you on the show

آپ کے ساتھ بیٹھی ہیں۔ صوبہ حکیم ان سے بھی آپ سب ہی واقف ہیں۔ آپ ایک اسٹیجیو کی روح رواں ہیں۔ اور انکا ادارہ معاشرے کی ستائی مظلوم و ناتواں عورتوں کے لیے بہت سا کام کر چکا ہے اور مزید جاری ہے۔ جن پر یہ خود روشنی ڈالیں گی۔

ویکٹم ٹو آڈر شو صوبہ جی۔.....“

At last we have handsome personality with us

کون نہیں جانتا انکو۔ جب بولتے ہیں تو کئی کے دلوں پر سچائی کی ٹھہری چلاتے ہیں۔ کئی کے دل پر اپنے زبردست لب و لہجے کا اثر چھوڑتے ہیں۔ اگر آپ کبھی انکے فیس بک پیج کا ایک چکر لگائیں تو انکی مقبولیت کا اندازہ کر سکیں۔ لڑکیوں کی جانب سے خاص کر کیسی کیسی آفرز آتی ہیں۔ آج موقع ملا تو ان سے براہ راست پوچھیں گے۔

"The one and only Mr Zara B Seyal"

سر میں بتا نہیں سکتی کتنی خوش ہوں۔ جب پروڈیوسر صاحبہ نے بتایا کہ آپ کو انوائٹ کیا گیا ہے۔ میرے تو سن کر ہی ہاتھ پیر بھول گئے۔ کیونکہ آپ تو سیاستدانوں کے پسینے ٹھنڈا دیتے ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے۔" تب سے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر سننے والا اب بھی دھیمے سے مسکرا کر بولا۔

"اتنا بھی باؤ بلا بنا کر اپنی اوڈنٹس کے سامنے پیش نہ کریں مس زریاب۔ پہلے ہی میل ڈومینیٹ سوسائٹی کو رپورٹ کر دیتے۔ بڑے شوڈیو میں میوزیشنز کے بعد میں اکیلا مرد موجود ہوں۔"

"As you can see already a multitude of pressure"

سارے ہال میں قہقہے گونج گئے۔ بڑے مزے سے وہ ہوسٹ کے منہ پر کھلا طنز مار گیا تھا۔ زریاب کے گالوں کی سرخی ایک دم بڑھی۔

"دیکھ لیا ناظرین پہلا فقرہ ہی پسینے چھوڑا گیا۔ آگے چل کر میرے ساتھ نہ جانے آج کیا ہونے چاہا ہے۔ خیر ملیے ہماری آج کی ویکٹرز۔۔۔"

ہوسٹ نے آگے آدھا گھنٹہ لگایا کہ کیسے مریم اور عاقانہ بی بی معاشرے میں مردکی برتری کی وجہ سے مظالم کا شکار ہوئی تھیں۔

تمام مہمانوں نے بھی کھل کر اپنے دلوں کی بڑھاس نکالی۔ کئی دفعہ تو ہوسٹ کی آنکھیں نم ہوئیں۔ بچاری نے کئی ٹشو پیپر ضائع کئے۔ کاجل پھیل جاتا تو بار بار میک اپ آرٹسٹ کو آکر درست کرنا پڑتا۔

سارے ہال میں چہ گوئیاں ہو رہی تھیں۔ ان میں صرف ایک انسان اپنے ضبط کو آزارہا تھا۔

بریک کے دوران تمام مہمان خواتین نے اپنے ملبوسات اور جیولری پر تبصرہ کیا۔ دانتوں پر لگی لپ سٹک

اتاری۔ وہ بیزاری سے اٹھ کر ایک طرف بیٹھے میوزیشنز کی طرف آ کر بڑی معصوم سی شکل بنا کر بولا۔
 "یار تم لوگوں کا حوصلہ ہے جو ہر صبح یہ سب برداشت کرتے ہو۔"
 وہ سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔

بریک ختم ہوئی۔ اور اینڈ پر زریاب کا رخ روشن ایک دفعہ پھر ضارب کی طرف آیا۔

"سر آپ نے تمام گفتگو سنی ہے۔ ہمارے مہمانوں کے علاوہ اوڈینس سے ملنے والے سوال، شکوے، غم و غصہ جو کہ اللہ کی اس کمزور اور بے بس مخلوق جسکو عورت کا نام دیا گیا ہے۔ اسکے ساتھ جس طرح کا سلوک ہمارے معاشرے میں رواں رکھا جاتا ہے۔ آج کی ساری گفتگو اسی کے مطلق تھی۔ پلیز آپ بھی ہمیں اپنی قیمتی رائے سے نوازئے۔"

اس نے ایک نظر براہ راست کمرے کی آنکھ میں دیکھا۔ ہوسٹ کو مخاطب کیا۔

"مس زریاب پہلی بات تو یہ کہ میں اس فضول سی بات پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ کہ "عورت کمزور اور بے بس مخلوق" میں تب سے یہاں بیٹھا ہی سوچے جا رہا ہوں۔ کیسے آخر کیسے آپ خود عورت ہونے کی بجائے اپنی طاقت اپنے اصل سے ہی ناواقف ہیں۔

عورت کو اگر آپ کمزور بول رہی ہیں یا سمجھتی ہیں۔ تو یہ ایک انتہا درجے کی احمقانہ اور جاہلانہ سوچ ہے۔ جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
 "دوسری بات آپ کا آج کا ٹاپک.....

O B I B I d o y o u e v e r k n o w y o u r o w n s o c i e t y

I t s 2 0 1 5 m a d a m o t a n c i e n t t i m e s

"اور کس قدر بولگانداق ہے۔ آپ یہاں میل ڈومینیشن پر بات کر رہی ہیں۔"

وہ شروع ہو چکا تھا۔ اور اب ہوسٹ یا کسی مہمان میں جرات نہیں تھی کہ ٹوک بھی سکتا۔

"جبکہ شوکی ہوسٹ ایک عورت، شوکی پروڈیوسر ایک عورت، شوکی مہمان چار خواتین۔ اور کیا یہ گھر میں زبردستی قید کر لے رکھی گئی ہوئی خواتین ہیں؟"

”نہیں جی۔۔۔!!۔۔۔ چاروں کی چاروں ہائیلی ایجوکیٹڈ اور پھر کرر و یمن ہیں۔ اپنی اپنی فیلڈ میں ایک نام رکھتی ہیں۔“

"آپ کی ملک میں عورت پاکیزہ ہے"

"آپ کے ہسپتالوں میں لیڈی ڈاکٹرز کی بھرمار ہے"

"آپ کے تعلیمی اداروں میں اُن گنت خواتین اساتذہ ہیں۔"

"آپ کے ملک میں خواتین رائٹز کتنی ہیں۔ انکی تعداد کا کسی کو اندازہ ہی نہیں۔"

"آپ کے ہاں کوئی سو کے لگ بھگ ٹی وی چینلز کام کر رہے ہیں۔ جن میں نیوز کاسٹرز عورتیں، صحافی عورتیں، تجزیہ کار عورتیں۔ پھر آجائیں آپ ڈرامہ اور فلموں کی طرف وہاں سے کمرشلز اور ماڈلنگ کی جانب بی بی مجھے کوئی ایک شعبہ ایسا بتا دیں جہاں عورت نظر نہ آئے۔ اور بات کر رہی ہیں آپ میل ڈومینیشن کی۔۔۔۔۔"

”آپ کے بیٹنوں میں عورتیں۔۔۔ آپ کی ہر صوبائی اسمبلی اور اسکے بعد قومی اسمبلی میں عورتیں۔۔۔ ہر سیاسی پارٹی میں عورتیں.....“

”دنیا کی پہلی خاتون وزیراعظم آپ کے ملک کی شہری..... پھر بھی آپ اپنے معاشرے کو اپنے والد کو اپنے بھائیوں کو اپنے شوہروں کو یوں باہر کی دنیا میں ذلیل کریں۔ کیوں؟“

”آپکے والد نے آپکو پڑھایا تو آج یہاں موجود ہیں ناں۔ تو پھر اسی باپ کے ساتھ یہ زیادتی کیوں؟“

"آپ میں سے کسی کے پاس جواب ہے تو دیں۔۔"

زریاب کے ذہن نے ایک کوڑی ڈھونڈ کر اس کے سامنے رکھی۔

”ضارب سیال صاحب یہ بات صرف ہم نہیں کر رہے۔ بین الاقوامی دنیا کر رہی ہے۔ ہمارے ملک کی لڑکی جس کی ملک نے قدر نہیں کی یہاں کی جہالت سے بھاگ کر باہر پناہ لینے والی ملائمہ و سفر کی .. وہاں آپ کیا کہیں گے“...

اب کی باروہ ہنس پڑا۔۔۔۔۔

"Agaim is Zaryalam go in go repeat yw or d's"

"What joke. what blood joke."

ایک لڑکی کو وجہ بنا کر ساری دنیا کے لوگ آپکو جوتے مار رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس پہ فخر محسوس ہوتا ہے۔۔۔۔۔ نہ جانے کہاں کہاں کس کس ملک میں اس لڑکی نے کھڑی ہو کر یہ بات بولی ہے کہ میرا تعلق ایک ایسے ملک سے ہے جہاں لڑکیوں کو پسند نہیں کیا جاتا۔ جہاں لڑکیوں کی تعلیم کو معیوب جانا جاتا ہے۔ جہاں لڑکیوں کو اظہار رائے کی آزادی نہیں۔۔۔ ایسے بے حس اور بزدل معاشرے کی دلیر اور بہادر لڑکی ملالہ یوسفزئی۔۔۔ جسکو اسکے ملک کے خلاف بولنے کے پیسے اور عزت ملی۔۔۔

"To be very honest"

"ایسا نام اور ایسی عزت اللہ کسی دشمن کو بھی نہ دے۔ آپ کبھی جائیں ناں پنجاب بورڈ یا سندھ یا کسی بھی صوبے کے کالجوں اور یونیورسٹیز کا ٹرن آؤٹ دیکھیں۔ پھر مجھے بتائیے گا کہ میرے ملک میں لڑکی کو لڑکے کے برابر تعلیم مل رہی ہے یا نہیں۔۔۔"

"اب میں آپکو ایک اور پوائنٹ کلیئر کر دوں۔ جن خواتین کو آپ نے یہاں میل ڈومینیشن کا وکٹم بنا کر بٹھایا ہے۔ وہ ڈومیسٹک ایبوز کی وکٹم ہیں۔ اور ان دونوں ٹرمز میں زمین آسمان کا فرق ہے۔"

"ڈومیسٹک ایبوز کے وکٹم آپ کو امریکہ میں بھی ملیں گے۔ جاپان میں ملیں گے۔ یو۔ کے میں ملیں گے۔ دنیا کے ہر ملک میں ایسے کیسز نظر آتے ہیں۔ اور کوئی بھی ان سوسائٹیز کو میل ڈومینٹ نہیں بولتا۔"

"ان مسائل سے اگر نمٹنا کارہ چاہتے ہیں۔ تو اپنے بچوں کو تربیت دیں۔"

"Let's be honest bib"

نمبر ایک یہ کہ ڈومیسٹک ایبوز کے پیچھے ہمارے معاشرے میں ننانوے فیصد کیسز کے پیچھے آپکو عورت ہی کا کردار نظر آئے گا۔ ساس کی شکل میں ماں کی شکل میں نند کی شکل میں سالی کی شکل میں بہو کی شکل میں سارے مسائل کے پیچھے کہیں نہ کہیں آپکو عورت ہی نظر آئے گی۔ تو کنفرم ہو گیا آج کا ہمارا مرد بالکل بھی ڈومینٹ نہیں کر رہا۔"

"دوسری بات یہ ہے۔ میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ میرے والد صاحب کا انتقال میری چھوٹی عمر میں ہی ہو گیا تھا۔ اس لیے میری ساری پرورش میری تربیت میری ماں نے کی ہے۔"

"اور یقین مایے نہ وہ کالج گئی نہ یونیورسٹی پھر بھی اتنی باختیار با اصول اور مضبوط عورت ہے کہ آج بھی میری غلطی پر وہ میری عزت دو کوڑی کی کر دیں۔ ہو سکتا ہے جوتا اٹھا کر ضارب سیال کی ساری اکڑ نکال دیں۔ آج میری مضبوطی کے پیچھے میری ماں ہے۔ میرے اس اعتماد کے پیچھے میری ماں ہے۔ ضارب کو ضارب بنایا اسکی ماں نے ہے۔ اسلئے اگر کوئی مجھے یہ بولے کہ عورت کمزور ہے تو مجھے مذاق ہی لگے گا وہ بھی انتہائی تھوڑا کلاس۔ میں بنیادی طور پر ایک زمیندار آدمی ہوں۔ اپنی آنکھوں سے میں نے اپنے کھیتوں میں کام کرتی ایک عورت دیکھی تھی۔ گندم کی کٹائی کرتے دوران اس کے گھر بچے کی پیدائش ہوئی۔ کپڑے میں لپیٹ کر بچہ گھر لے گئی۔ اگلے دن پورے وقت سے کام پر تھی۔ ایسے واقعے کا چشم دید گواہ کیسے مان لے کہ عورت کمزور ہے۔"

"آپ چند ایک ناخوشگوار واقعات کو لیکر اپنے پورے معاشرے پر ٹیک نہیں لگا سکتے۔"

"مرد چاہے جتنا بھی بڑا سوراہا بن جائے۔ جتنا مرضی بڑا پسے خان یہ مت بھولیں پیدا وہ عورت کی کوکھ سے ہوا ہے۔ اور اسی عورت کو اللہ نے اختیار دیا ہوا ہے کہ اپنی شفقت سے اپنی محبت سے اس چھوٹے سے جڑی کے بوٹ کی تربیت کر کے اسکو ایک چھاؤں دینے والا تناور درخت بنائے۔ اسکی گھٹی میں عورت کی عزت کرنا ڈالے گی تو یقین کریں۔ معاشرہ امن کی تصویر ہوگا۔"

"ہمارا معاشرہ نا انصافی کا شکار ہے۔ ہمارے یہاں کا فیملی سسٹم بالکل ختم ہو گیا ہے۔ مگر اسکے پیچھے بھی عورت کا اپنا ہاتھ ہے۔ جب اپنے بچے کے لئے کھانا بناتے وقت سازش، نفرت، عدوت کی باتیں سوچ رہی ہو گی۔ تو کیسے وہ نوالے بچوں کے ذہن میں محبت کی فصل اگائیں گے۔"

"جب میاں بیوی اپنے بچوں کے سامنے اپنے بہن بھائی کے لیے نفرت اور سازشی بات کریں گے۔ انکی اولاد کبھی بھی اپنے بہن بھائی سے محبت نہ کرے گی۔ ہر طرف خود غرضی کی اجارہ داری رہ جائے گی۔"

"یاد رکھیے ہم نے وہی فصل کاٹنی ہے۔ جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے لگانی ہے۔"

"اگر ہم گناہ لگاتے ہیں۔ تو کھیت سے چاول نہیں نکلتا۔ گناہی نکلتا ہے۔"

"میں نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا۔ مگر ایک آخری پیغام میں تمام ان لوگوں کو دینا چاہوں گا۔ جو کسی بھی طرح کہیں بھی غلط انسانی رویوں کی وجہ سے تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ چاہے وہ کوئی مرد ہے یا عورت۔ یہ جو کمزوری اور بزدلی کے لباس میں خود کو مخپایا ہوا ہے ناں۔ یہ لباس یہ ثابت نہیں کرتا کہ تمہارا واسطہ کسی زور آور سے پڑا۔ یہ لباس یہ ظاہر کرتا ہے کہ تم نے میدان میں اترے بغیر ہار مان لی۔"

"ظلم کے خلاف چپ رہنے سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں۔"

"یہ انتظار نہ کرو کہ کوئی آئے اور تمہاری اچھائیوں کی آواز بنے۔ خود اپنی آواز بنو۔ اللہ اور اللہ کے رسول پر کامل یقین رکھو اور لڑے بغیر ہار نہ مانو۔"

☆.....☆.....☆

یہ دو دن بعد کی شام تھی۔ ساری فیملی سفینہ کے کمرے میں جمع بیٹھی تھی۔ آج ضارب خوش بھی بہت تھا۔ کیونکہ اماں کا ہاتھ اب ٹھیک ہو گیا تھا۔ جبکہ ٹانگ کا ایکسرے بالکل ٹھیک آیا تھا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا۔ مہینے دو میں پلاسٹر اتار دیں گے۔

ضارب ماں کے ساتھ بیڈ کی بیک سے ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا۔ مصطفیٰ پاؤں کی طرف لیٹا ہوا تھا۔ ادا اپنی ماں کے ساتھ صوفے پر موجود تھا۔ درمیان میں جب جی چاہتا صوفے سے بیڈ پر آتا پھر بیڈ سے صوفے پر جاتا۔ اس وقت بھی کوئی چوتھی دفعہ سفینہ نے ضارب کی توجہ ٹی وی سے ہٹا کر احد کی طرف کرا دی تھی۔

"ضارب ہاتھ بڑھانا آرہا ہے کہیں گر نہ جائے۔"

اس نے جھنجھلا کر نظریں احد کی بجائے عافیہ پر گاڑیں۔

"پری یار کیا مصیبت ہے۔ تم بھی ادھر بیڈ پر بیٹھ جاؤ۔ میرا بیٹا بچا رہ دادی اور ماں کے درمیان بھاگ بھاگ کر تھک جائے گا۔ کل کو اسکی بیوی آئی تب تم تینوں اسکا کیا حال کرو گی۔ مجھے ابھی سے سوچ کر تشویش ہو رہی ہے۔"

وہ اسکو گھورتی ہوئی صوفے سے اٹھی اور مصطفیٰ کے قریب لیٹ گئی۔ بولی کچھ نہیں کیونکہ اسکا سارا دھیان ٹی وی پر لگی فلم "ریئل سٹیل" کی جانب تھا۔ جہاں منکس ایٹم کو کچھڑ میں سے نکالنے میں مصروف تھا۔

دوسری طرف احدا ب ایک دفعہ عافیہ پر گرتا۔ دوسری دفعہ ضارب پر گرتا۔ تیسری دفعہ اماں پر گرنے لگتا تو ضارب تھام لیتا۔

”او یار تیری بریکیں فیل کیوں ہیں۔ میں اپنی ماں کے ساتھ آرام سے بیٹھا ہوا ہوں۔ تم بھی اپنی ماں کے پاس سکون سے کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔“

عافیہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

”لائیں اسکو مجھے دیں۔ اس کے سونے کا وقت ہے۔ میں اسکو سلا کر آتی ہوں۔“

سفینہ نے روکنا چاہا۔ ”رہنے دو عافی یہ ضارب تو ایویں شور مچا دیتا ہے۔“

وہ احد کو اٹھا کر اب بیڈ کے قریب اپنی چیلیں ڈھونڈ رہی تھی۔

”نہیں اماں جتنا ماشا اللہ احد کا وزن ہے آپکی ٹانگ پر گرا تو بڑا نقصان کرے گا۔ اور اگر ابھی یہ نہ سویا تو ایک دو بجے سے پہلے اسکو نیند نہیں آتی۔“

سفینہ نے ٹار ہوتی نظروں سے بہو کم بیٹی کو دیکھا۔ نیوی بیلو گرم سوٹ کے اوپر سلور ایپلک لگی ہوئی تھی۔ جس میں اسکی سرخ و سفید رنگت اور بھی شاداب نظر آ رہی تھی۔ لمبی چوٹی ناگن کی طرح کمر پر لٹکتی رہتی۔ اور وہ اپنے حسن سے بے نیاز نگن تھی۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے مصطفیٰ کے بالوں میں ہاتھ پھرا۔

”مصطفیٰ جانو ساڑھے آٹھ ہو گئے ہیں۔ سونے کا وقت نکل رہا ہے۔ بس نو بجے تک ٹی وی دیکھ لو باقی جو مووی بچ جائیگی صبح دیکھ لینا۔“

مصطفیٰ نے بے چارہ سامنے بنایا۔ ”پری کل ٹمھی ہے۔ ساری فلم ابھی دیکھنے دیں۔ ناں۔“

”بالکل بھی نہیں۔ بس نو بجے سے زیادہ نہیں جا گنا۔ اگر نہیں منظور تو ابھی ہی ٹی وی بند کر دو گی۔“

وہ ٹی وی کی جانب بڑھی ہی تھی۔ مصطفیٰ اور ضارب دونوں نے شور مچا دیا۔

”ارے نو بجے تک تو دیکھنے دو۔“

اس نے ضارب کی بات پر اماں کو ریمورٹ پکڑا دیا۔

"یہ لیس اماں اب آپ ہی انچارج ہیں۔"

باہر جاتی ہوئی کو مصطفیٰ نے آواز لگائی۔ "پری میں آج دادو کے ساتھ سو جاؤں۔؟؟۔"

"کیوں نہیں میری جان ضرور سو جاؤ۔"

ضارب نے فوراً نفی کی۔ "بالکل بھی نہیں سوتے میں اماں کی ٹانگ دکھائے گا۔"

سفینہ نے ضارب کی نفی کی۔ "اتنا بڑا بیڈ ہے اور میرا مصطفیٰ تو سوتے میں بالکل بھی اپنے باپ کی طرح

دولتے نہیں مارتا۔"

عافیہ دروازے میں ہی رُک کر ہوئی تھی۔ ہنستے ہوئے پوچھا۔ "اماں آپ انکو گھوڑا کہہ رہی ہیں یا گدھا؟۔۔"

سفینہ اور مصطفیٰ دونوں بھی ہنس رہے تھے۔ عافیہ کے سوال کے جواب میں ماں سے پہلے وہ خود براہ راست

بیوی کی نظروں میں گہرائی تک دیکھتے ہوئے بولا۔

"میں بتاؤں کیا کہہ رہی ہیں۔؟؟۔"

وہ نفی میں سر ہلاتی وہاں سے نکل گئی۔ کچن سے اُحد کا فیڈر لیا۔ اپنے کمرے میں ٹائٹ بلب آن کر کے مین

بلب بند کرتے ہوئے اُحد کو لیکر لیٹ گئی۔ اسکے فیڈر پینے کے دوران اسکے بالوں میں انگلیاں پھیرتی کبھی اسکا

منہ چومتی کبھی پاؤں چامتی کبھی ہاتھ چومتی۔ ساتھ ساتھ کچھ گارہی تھی۔

ہمیں غمزہ دیکھ کر یہ وہ بولے

ہمارا ہے ٹو بے سہارا نہیں ہے

ہوڑ سوائی تیری تیری آنکھ نم ہو

تیرے یار کو یہ گورا نہیں ہے.....

اُحد سو گیا تو اس پر رضائی برابر کر کے واپس کچن میں آئی۔ ٹی وی کی آواز اب نہیں آرہی تھی۔ جسکا مطلب تھا

کہ نو بج چکے تھے۔

اس جگہ میں دودھ ڈالا ساتھ میں دو گلاس رکھ کر اماں کے کمرے میں آئی جہاں ضارب غائب تھا۔ دونوں

دادی پوتا لیٹے ہوئے مزے سے باتوں میں مصروف تھے۔

"ملک ٹائم۔۔۔!!۔۔"

دونوں کو گلاس بھر کر دیئے ساتھ میں سفینہ کی دوا بھی نکال دی۔

وہاں سے فارغ ہو کر برتن دھو کر رکھے۔ سارے دروازے بتیاں بند کر کے کچن کے پچھلے دروازے سے نکل کر باغیچے میں آ گئی۔ ضارب حسبِ عادت چہل قدمی کرنے میں مصروف تھا۔ وہ جا کر بیچ پر بیٹھ گئی۔

"بچے سو گئے؟"

ضارب نے اُس کے قریب زک کر پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"چلو پھر ہم کہیں باہر چلتے ہیں۔"

وہ حیران ہوئی۔

"اس وقت؟"

"ہاں یارا بھی تو کوئی ٹائم نہیں ہوا۔ یہ تو تم اماں سے بھی ایک ہاتھ آگے ہونٹاٹ سلا دیتی ہو۔ چلو باہر کو میں اندر سے چابی لیکر آتا ہوں۔"

وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ زکیں میں لے آتی ہوں۔ ساتھ میں اپنی چادر بھی لے آؤں گی اور اماں کو بتا دیتی ہوں۔"

ضارب نے اسے بازو سے پکڑا۔

"یہ جو چار گز کا دوپٹہ لئے گھوم رہی ہو چادر کی گنجائش کہاں ہے۔ اماں کو بتانے گئیں تو گھنٹہ لگا کر آؤ گی۔ میں خود لے آتا ہوں۔"

لبے لبے ڈگ بھرتا اندر کو چلا گیا۔ اور تین منٹ بعد باہر تھا۔

گاڑی گھر سے نکالنے کے بعد سامنے روڈ پر سے نظر اک پل کو ہٹا کر پہلو میں بیٹھی بیوی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جو کہ اپنا چار گز کا دوپٹہ پوری طرح کھول کر سر اور سینے کو ڈھانپ چکی تھی۔

"کدھر جانا ہے؟"

وہ جو اپنی سوچ میں گم تھی۔ چونکی

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ جسے لاہور میں سوائے داتا صاحب اور یادگار کے کسی اور جگہ کا علم ہی نہیں۔"

"اسکا مطلب ہمیں اب ہر ہفتے میں کم از کم ایک دن آؤنگ کارکھنا پڑے گا۔"

وہ سمجھی نہیں تب ہی پوچھ لیا۔ "وہ کیوں؟"

"تاکہ تمہیں سارا لاہور گھومایا جاسکے۔"

وہ دھیرے سے مسکرا کر بولی۔ "خیر اب اتنا بھی ضروری نہیں ہے۔"

"تم کیا جانو کتنا ضروری ہے۔ کل کو میرے پوتے پوتیاں کیا سوچیں گے۔ دادے نے دادی کو لاہور ہی نہیں دکھایا ہوا۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ میں انکو بتا دوں گی۔ تمہارے دادا نے مجھے جنت دکھائی تھی۔ بلکہ جنت کا باسی بنایا ہے۔"

ضارب کی نظریں اسکے چہرے سے ہٹا بھول گئیں۔ اور میں ایک ایسی آنچ تھی۔ جو عافیہ کو جلا کر بھسم کرنے کی بجائے انجانے سرور سے واقف کروا رہی تھی۔ اسکی توجہ ہٹانے کو اسے بولنا پڑا۔

"ضارب ہم روڈ پر ہیں۔ اور میں اپنے پوتے پوتیوں سے ملنا چاہتی ہوں۔ پلیز۔۔۔"

وہ بولا کچھ نہیں اسی طرح چہرے پر گہری سنجیدگی لیے سامنے کود کیھنے لگا۔ گاڑی کی سپیڈ بھی بڑھادی۔ کافی دیر بعد عافیہ کی سماعت میں اسکی آواز پہنچی جو پوچھ رہا تھا۔

"کچھ کھاؤ گی؟"

"نہیں بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔"

"پھر مووی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بالکل بھی نہیں۔ ابھی گھر پر مووی لگی چھوڑ کر آرہے ہیں۔"

"پپوسائٹس کو جانتی ہو۔۔۔؟"

"وہ کون ہے۔ نام ہی پہلی دفعہ سن رہی ہوں۔"

"اگر پوچھو نہیں جانتی ہو تو گوٹکا سائیں کو کہاں جانتی ہوگی۔"

عافیہ نے لاعلمی سے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ دونوں فرد پاکستان کے صفحے اول کے ڈھولی ہیں۔ ڈھول بجاتے ہیں۔ پوسائیں اس فیلڈ میں گوٹکے

سے سینئر ہے۔ مگر کام دونوں کا بہت ملتا ہے۔ رنگ ایک ہی ہے۔"

"خاص کر پوسائیں کو میں جب بھی سنوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے وہ اللہ کا ملنگ روضہ رسول کے

سامنے کھڑا ہو کر اپنے عقیدت اور عشق و محبت کے نذرانے پیش کر رہا ہے۔ ایسا مجھے اس لئے بھی لگتا ہے۔ کیونکہ

ہر دفعہ جب میں اسکی پر فارمنس دیکھتا یا سنتا ہوں۔ تصویر کی آنکھ سے سہمی پر مجھے لیکر وہ مسجد نبوی کے سامنے ہی

جاتا ہے۔ جہاں میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو کر سلام پیش کرتا ہوں۔"

اک پل کو اس نے نظر موڑ کر عافیہ کی حیرت سے پھیلی آنکھوں میں دیکھا اور بولا۔

"تمہیں شاید میری بات عجیب لگے۔ مگر میں تمہیں وہ بتا رہا ہوں۔ جو میرے کیفیت ہوتی ہے۔"

"اسیے میں تمہیں آج ایک ایسی جگہ پر لیکر جاؤں گا۔ جہاں آج پوسائیں اور گوٹکا ایک ساتھ اپنا نذرانہ پیش

کرنے والے ہیں۔"

جس وقت وہ لوگ بابا شاہ جمال کے دربار پہنچے وہاں بہت زیادہ بھیڑ تھی۔ گاڑی کو کافی پیچھے پارک کرنے

کے بعد انجن بند کرتا ہوا اتر کر اسکی جانب آیا۔ اسکا دروازہ کھولا وہ باہر آئی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد ریموٹ

سے گاڑی لاک کرنے کے بعد اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے عافیہ کا ہاتھ لیکر بھیڑ میں سے رستہ بناتا ہوا دربار کے

احاطے تک لے آیا۔ ایک جانب درخت کے تنے کے قریب جگہ نظر آئی وہیں اسکو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ بیٹھ

گئی تو اسکے برابر تھوڑا سا آگے کو خود بیٹھ گیا۔ عافیہ نے جائزہ لیا تو محسوس ہوا اسکے ایک طرف درخت تھا۔ دوسری

طرف ضارب دیوار کی طرح اسکے اور دوسرے لوگوں کے درمیان موجود تھا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی۔ وہاں قدرے

اندھیرا تھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے پبلک میں ہونے کے باوجود سب کی آنکھوں سے اوجھل تھی۔ ضارب کی اس ادا پر

اتنا پیار آیا۔ آج وہ پہلی دفعہ اسکے ساتھ یوں باہر آئی تھی۔ اور پہلے ہی دن وہ اسکو اس قدر بھیڑ والی جگہ پر لایا تھا۔

جیسے گاڑی سے لیکر احاطے تک وہ اسکا محافظ رہا۔ عافیہ یہ سمجھ ہی نہ پائی کی آیا وہ اسکے پیچھے چل رہا تھا۔ یا آگے

دائیں یا بائیں۔ اس کے چاروں طرف صرف وہی تھا۔

اتنے بہت سے لوگوں میں کسی کے ساتھ نہ اسکا کندھا مس ہوا نہ ہاتھ نظر تو بہت ہی دور کی بات تھی۔

جی چاہا اپنی جگہ سے کھڑی ہو کر ان مست دھالیوں میں شامل ہو جائے۔ جو اپنے یار کی مستی میں جھوم رہے تھے۔ اور وہ بھی ہاتھ اٹھا اٹھا کر بولے کہ دیکھو اگر میں اسکو اپنی ڈعاؤں میں مانگتی تھی۔ تو غلط تو نہیں تھا۔ اپنی آنکھوں میں بھر آنے والے پانی کو پلو سے صاف کرتے ہوئے اس نے اپنا سر ضارب کی پشت سے ٹکا دیا۔ جس نے چونک کر گردن موڑی۔

"Pariareyouoka?"

اس نے ضارب کے سوئٹر کے اوپر ہی بوسہ لیا۔ اور سر اثبات میں ہلاتے ہوئے مسکرا دی۔

اگلے چند منٹ وہ میوزک کو سنتی دل میں یہ سوچ رہی تھی۔ کہ یہ تو عام سے ہی ڈھول بجانے والے ہیں۔ ضارب تو ایویں اتنی تعریف کر رہے تھے۔

پر پھر ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پہلے والے لوگ پیچھے ہٹ گئے۔

اور دو لوگ گلے میں ڈھول ڈالے آگے آئے۔ لوگوں نے ان کی بھرپور پذیرائی کی۔ ایک تھوڑی زیادہ عمر کا آدمی تھا۔ دوسرا اس سے کم عمر دونوں کے لمبے بال کندھوں سے نیچے جا رہے تھے۔ بڑے والے کے بال سیدھے اور تیل لگے ہوئے تھے۔ جبکہ دوسرے والے کے بال کھنکھریالے تھے۔ دونوں نے گلے میں بہت سی مالائیں اور موتی پہنے ہوئے تھے۔

سنجیدہ چہرے فوکس آنکھیں۔

پہلے ڈگے پر ہی خاموشی چھا گئی۔ اور اس کے آگے بس فن کی زبان رہ گئی۔

ایسا لگا جیسے سینے میں رکھا۔ خلیوں سے مل کر بنا تو تھڑا جسکو عرف عام میں دل کہتے ہیں۔ وہ پانی بن کر جسم کے اک ایک ریشے میں منتقل ہو گیا ہو۔ یہ اتنی طاقت صرف ڈرم پر پڑنے والی چھڑیوں میں نہیں ہو سکتی۔ یہ ڈھولی کا جنون تھا اور جذبہ تھا۔ جو سننے والے کی سماعتوں میں جادو بن کر اثر کرتا۔

وہ دیکھتی رہی کیسے ضارب کی ساری توجہ ان دو افراد پر تھی۔ کبھی کبھی وہ دونوں بازو اوپر اٹھا کرتا لیاں بجانے

لگتا۔ اینڈ پر عافیہ نے ہی اسکی توجہ وقت کی جانب دلائی۔

ضارب نے ایک نظر اپنی رست و اچ پر ڈالی پوتا ایک ہو رہا تھا۔ دن کا آغاز ہو گیا اور علم بھی نہ ہوا۔ گھر تک پہنچتے ڈیڑھ بج گیا۔ اماں کو ایک نظر دیکھ کر دونوں اپنے کمرے میں آ گئے۔

احمد مرے کی نیند سو یا ہوا تھا۔

”آپ کے لئے دودھ لادوں یا کافی لینگے۔“

وہ صوفے پر بیٹھ کر جوتے اتار رہا تھا۔ نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”دودھ رہنے دو کافی ٹھیک ہے اور پلیز اگر زحمت ہو تب بھی شام میں جو رس ملائی تم نے بنائی تھی۔ وہ بھی لے آنا۔“

عافیہ کے جانے کے بعد ضارب نے جوتے شینڈ میں رکھے۔ منہ ہاتھ دھوئے اور لیپ ٹاپ لیکر بیڈ پر اپنی جگہ سنبھال لی۔

جب تک وہ واپس آئی۔ وہ اپنی ضروری ای میلز چیک کر کے جن کو رس ملائی جانا تھا۔ وہ لکھ رہا تھا۔

عافیہ نے دونوں کافی کے کپ اور رس ملائی کا پیالہ اس کے قریب سائیڈ دراز پر رکھا۔ خود لباس بدل کر الماری کے پاس سٹول کے اوپر رکھی ٹوکری پکڑ کر بیڈ پر آ بیٹھی۔ جس میں سفید اون کے گولے اور ایک عدد کر وشیہ موجود تھا۔

ضارب نے ایک نظر اسکو دیکھا جسے ہاتھ تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے تھے۔ اس نے پیالہ اٹھا کر دو تین چمچ رس ملائی کے لیے۔

”یہ روز سونے سے پہلے تم یہ بلا لیکر بیٹھ جاتی ہو۔ بنا کیا رہی ہو۔“

اسکا سارا فوکس کر وشیے پر تھا۔ ”احمد کا ہیٹ ہے۔“

ضارب ہلکے سے ہنسا۔۔ اور چڑانے کو بولا۔

”ماشا اللہ جس قدر شوق اور سپیڈ سے بنا رہی ہو۔ اگلے دو چار سالوں تک بنا ہی لوگی۔“

”اچھا اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔ دن میں احمد کے ڈر سے ہاتھ میں نہیں لیتی ہوں۔ وہ ہر چیز کا معائنہ

شروع کر دیتا ہے۔ اور کروشیے سے ڈر لگتا ہے کہیں آنکھ وغیرہ میں نہ مار لے۔"

"ویسے میں ایک بات سوچ رہی تھی۔"

ضارب نے مصروف انداز میں ہی پوچھا۔ "کیا؟"

"وہ جو مورنگ شو کی ہوسٹ ہے زریاب احمد اس نے آپ سے پوچھا تو ضرور ہوگا کہ بھائی کس جنم کا بدلہ لیا ہے۔"

ضارب کی انگلیاں ابھی بھی کی پیڈ پر ناچ رہی تھیں۔ مگر ہلکا سا تہتہ مار کر چمکتی ہوئی روشن آنکھوں سمیت بولا۔ "کیا تم نے وہ شو دیکھا تھا۔؟"

"ہاں تو۔۔۔ اور مزے کی بات بتاؤں شو شروع ہونے سے پہلے ہی اماں نے کہہ دیا تھا۔ آج اس ہوسٹ کی بے عزتی ہونے والی ہے۔"

اُس نے سامنے بیٹھی عافیہ کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہو سکتا ہے کچھ زیادہ ہی کہہ گیا ہوں۔ پر یار

"I swear just can't take this type of stupid hit"

وہ بھی مسکرا دی۔ اور پھر یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی۔

"اس شو کے اینڈ پر آپ نے جو کہا کیا وہ میرے لئے تھا؟ جو آپ نے کہا "لڑے بغیر ہار نہ مانو۔۔۔"

"کیا تمہیں ایسا لگا کہ میں نے تم سے کہا ہے؟"

"ہاں۔۔۔"

"تو کیا تمہیں برا لگا؟۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ مگر میں تو اسی رات آپ کے ساتھ لڑائی شروع کر چکی تھی۔ آپ کی بات نے ثابت کر دیا۔ میں

اگر لڑ رہی ہوں۔ تو ٹھیک کر رہی ہوں۔"

ضارب کے ہاتھ کی پیڈ پر تھے۔ سر نیچے کو نچکا ہوا تھا۔ وہیں سے نظریں اٹھا کر غور سے عافیہ کے سنجیدہ

چہرے کو دیکھا۔

"میں خوش ہوں۔ جو تم نے اپنا خول توڑا مجھے یہ یقین دلوایا کہ آخر کار تم ایک انسان ہی ہو۔ ربوٹ یا اللہ کی گائے نہیں ہو۔ اور یہی میں چاہتا تھا۔ مگر۔۔۔۔ میں ابھی تک حیران ہوں۔ یکا یک یہ تبدیلی آئی کیسے وہ بھی آور دانا میٹ۔۔۔ اس کے پیچھے راز کیا ہے۔ پہلے مجھے دیکھتے ہی بیگم صاحبہ کی ٹانگیں کاپنے لگتی تھیں۔ اچانک کیا ہوا ہے۔"

"Ami not the same anymore is it you who have changed?"

"نہیں آپ تو جیسے تھے۔ ویسے ہی ہیں۔ اصل میں خود بھی حیران ہوں۔ پتا کیا۔؟۔۔۔" اس نے ہاتھوں سے کروٹیاں رکھ دیا۔ اسکے اپنے چہرے پر الجھن رقم تھی۔ ضارب بڑے غور سے اسے سن اور پڑھ رہا تھا۔ جو کہنے لگی۔

"جس دن آپ نے مجھے ڈانٹا تھا۔ کہ آپ کا نام اپنے نام کے ساتھ نہ لکھوں۔ مجھے بڑا دکھ ہوا۔ میں روئی بھی بہت پر جب میں ٹھیک نہیں تھی۔ تب ناں مجھے لگتا ہے کہ میں نے بہت سی باتیں کی ہیں۔ میرے بچپن کی عادت ہے بخار میں رونے اور بڑبڑانے کی۔ اب مجھے یہ تو یاد نہیں کیا کیا کہا پر اتنا ضرور جانتی ہوں۔ جو جو دماغ میں چل رہا ہوگا۔ سب کہہ دیا ہوگا۔ اور مجھے خواب میں اباجی بھی ملے تھے۔ شاید انہوں نے سوال پوچھا تھا۔ کہ ضارب کون ہے۔؟؟۔۔۔"

ضارب نے اونچی آواز میں لاجول ولاقوت پڑھی۔

"محترمہ وہ سوال آپ کے والد صاحب مرحوم نے نہیں۔ اس ناچیز نے پوچھا تھا۔"

عافیہ نے بھنویں اوپر کو اٹھ گئے۔ ایک ہاتھ منہ پر رکھا۔

"آپ نے کیوں پوچھا۔؟؟۔۔۔"

"بس ایسے ہی شوق ہوا جاننے کا۔"

"تو وہ باتیں میں نے اباجی سے نہیں کیں۔؟۔۔۔"

ضارب شرارتی مسکراہٹ سمیت اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی نفی میں سر ہلایا۔

عافیہ نے بھی اسی طرح سرنفی میں ہلایا۔ چہرے پر شرمندگی کے آثار ابھر رہے تھے۔

”میں نے اور کیا کیا بولا تھا۔ اسکا مطلب جو ناک میں نے پکڑی تھی۔ وہ بھی اباجی کی نہیں تھی۔“
ضارب کا قہقہہ جاندارتھا۔

”بیگم صاحبہ میرا مطالبہ تھا۔ بیوی وہ ہے جو برابر آئے اور ڈنکے کی چوٹ پر آپکو فتح کر لے۔ تم اپنے ہوش میں وہ کام نہیں کر سکیں پر نیند میں کر گئیں۔۔۔۔۔ یہاں۔۔“
اس نے شہادت کی انگلی اپنے دل کے اوپر رکھی۔

”یہاں پر سر رکھ کر آنسو بہاتے ہوئے تم نے مجھ سے ریکویسٹ کی تھی۔“
عافیہ کے چہرے کی سُرخی ہر سیکنڈ کے ساتھ بڑھ رہی تھی۔۔ مری ہوئی آواز میں پوچھا۔
”کیسی ریکویسٹ؟؟۔۔“

”تم نے کہا۔ پلیز ڈعا کریں ضارب کو مجھ سے محبت ہو جائے۔“
”میں نے ایسا بول دیا؟؟“ گول موٹی موٹی آنکھیں ضارب پر لگی تھیں۔۔
”جی ہاں۔ آپ نے ایسا ہی بولا۔ اور میں نے اسی وقت اٹھ کر فجر کی نماز میں ڈعا کر دی۔“
وہ جتنا بھی حیران ہوتی کم تھا۔

”کیا ڈعا کی۔۔؟۔۔“

”میں نے کہا یا رب اگر اس عورت کے جذبے سچے ہیں۔ تو میرے بے غیرت دل کو اسکی طرف موڑ دیں۔“
”پھر ڈعا قبول ہوئی کیا؟۔۔“

ضارب نے اپنا کافی کا کپ اٹھایا اور اسکا اسکی طرف بڑھایا۔
”ہنڈرڈ پرسنٹ تو نہیں پر لگتا یوں ہے کہ کام جاری ہے۔“

”میں آپکو ایک راز کی بات بتاؤں؟۔۔۔“

”ضارب نے لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ پر رکھا اور آگے کو جھک کر پورے راز دراز انداز میں پوچھا۔
”جلدی بولو۔۔“

"مجھے اب آپ سے ڈر نہیں لگتا۔"

ضارب نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔ "کیا بالکل بھی نہیں۔؟؟"

عافیہ نے نفی میں سر ہلایا۔

وہ پھر بولا تو لہجے میں غصہ اور آنکھوں میں سنجیدہ گھوڑی تھی۔

"ذرا سا بھی نہیں۔۔؟؟"

عافیہ نے ہاتھ کی مدد سے اسکے چہرے کا زخ دوسری جانب کیا۔

"اچھا اب آپ مجھے ڈرانے کی کوشش نہ کریں۔۔"

"میں کیسے کوشش کر سکتا ہوں۔ تم کونسا مجھ سے ڈرتی ہو۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں یوں خطرناک ایکسپریمنٹس سے گھوڑیں گے تو ڈرا بھی سکتا ہے۔ وہ بھی اتنی رات کو جب میرے بیٹے بھی سوئے ہوئے ہیں۔"

ضارب ہنستا چلا گیا۔

جب دونوں سونے کو لیٹ گئے۔ اندھیرے میں ضارب کی آواز ابھری۔

"پری۔؟؟؟" میرے پاس تمہارے لئے ایک سر پرائیز ہے۔"

جواب میں اسکی سوئی سی آواز آئی۔ "اگر تو وہ سر پرائیز یہ گھر میرے نام کرنے والا ہے تو اللہ کی قسم کاغذوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دوں گی۔ اگر اس کے علاوہ کچھ اور ہے تو ابھی بتا دیں۔"

"کی نا پھر عورتوں والی جذباتی بات۔ یا تم عورتیں عقل شعور رکھتے ہوئے بھی جب جذبات کی بات آتی ہے تو اندھی بہری کیوں ہو جاتی ہو۔ گھر نہیں لینا۔ کیوں؟؟ اسلیے کہ شوہر بڑا وفادار ہے۔"

"Let's put on a point very straight."

"مرد اس دنیا کی بے وقافتہ ترین مخلوق ہے۔"

"شوہر ہنس کر بول دے۔ بھائی خوشامد کر دیں۔ تم لوگ وہیں پر اپنا سب کچھ ان پر واردیتی ہو۔"

"خدا کا نام ہے۔ جو حق تمہیں اللہ کی ذات نے وراثت کے نام پر دیئے ہوئے ہیں۔ ان سے تو انکار نہ کیا

کرو۔ پھر کہتی ہو عورت بے بس و مجبور ہے۔"

"تمہارے والد صاحب کے بعد بھائیوں کا رویہ تمہارے سامنے ہے۔ تمہیں ایک مرد نے اتنے سال بعد طلاق دیکر فارغ کر دیا۔ کیا تھا ہاتھ میں۔ سر نہ پانے کے چھت بھی نہیں تھی۔ اور تم وہی بے وقوفی دوبارہ کر رہی ہو۔ کل کو میں مرجاتا ہوں۔ یا کسی اور عورت کو بیاہ لاتا ہوں۔ بچے بڑے ہو کر تم سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ میں آنکھیں پھیر جاتا ہوں۔ جو کہ ہوتا ہے۔ پھر کیا کرو گی۔ بڑھاپے میں کدھر جاؤ گی۔ اولڈ ہوم؟؟"

"میری باتیں تمہیں زہر لگیں گی۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ تم اس زہر کو جتنا مرضی چاکلیٹ کی کوٹ دے لو۔ پر اسکی تاثیر نہیں بدلتی۔ میں اس قسم کا کوئی بھی فیصلہ لوں۔ تم کوئی اعتراض نہیں اٹھاؤ گی۔ اس وقت تم میری ذمہ داری ہو۔ اللہ رسول کو گواہ بنا کر تمہارا مرد بنا ہوں۔ حال اچھا ہے۔ کل کس نے دیکھا ہے۔ اسلئے اس معاملے میں چپ رہو۔"

"اور یہ سر پرائیز نہیں ہے۔ وہ کیا ہے۔ وقت آنے ہر بتاؤں گا۔"

☆.....☆.....☆

پھر یہ ہوا کہ ضارب نے تو سر پرائیز نہ دیا۔ مگر زندگی نے دے دیا۔ اور وہ بھی ایسا چونکا نے والا کہ عافیہ جی جان سے تھرا کے رہ گئی۔ ضارب آفس کے لئے نکل رہا تھا۔ اور وہ احد کو گود میں اٹھائے کمرے سے ضارب کے ساتھ ہی براہ ہوئی تھی۔

"آپ شام کو جلدی آجائیگا۔ مصطفیٰ کی ڈیسٹ کے پاس اپوائنٹمنٹ ہے۔"

"کہتی ہو تو جاتا ہی نہیں ہوں۔"

"نہیں یہ تو میں نہیں کہہ رہی۔"

"دیکھا اماں سچ اسکی زبان پر آئی گیا۔ گھر پہ آرام کرتا تو یہ مجھے دیکھ ہی نہیں سکتی۔"

وہ ماں کے سامنے ٹھکا انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "کیوں ہر وقت اسکو تنگ کرتے رہتے ہو۔ بچے کیا اس کام کے لیے کم ہیں۔"

"تو بہ ہے اماں مجال ہے جو آپ کبھی اسکے خلاف بول جائیں۔"

”اور پری وٹ صاحبہ بندہ ناچیز وقت پر موجود ہوگا۔ اور یا آج ذرا کو فتنے تو بنا لینا چیز اور ہری مرچ بھر کر۔۔۔“ احد کے گال پر پیار کرنے کو ٹھکاکا تو جان بوجھ کر اپنا سر عافیہ کے چہرے کے اوپر مس کیا۔ وہ اسکی شرارت پر دلکشی سے مسکرا دی۔

”ضارب میری جان ایک بات تو بتاؤ ان مردوں کو کیا کہتے ہیں۔ جن کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گھورتا ہے۔“

ضارب ماں کے سوال کو بالکل سمجھ گیا تھا۔ اور بھرپور قہقہہ مار کر بولا۔
 ”پیاری ماں انکورن مرید کہتے ہیں۔ اور یہ رہا آپکارن مرید بیٹا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں۔ سوچ سمجھ کر گھر کی بھولائیں۔ ایسی بے زبان احساس مند بھولائیں گی۔ تو بیٹا بچا رہ کیا کر سکتا ہے۔ اچھا مجھے دیر ہو رہی ہے۔“
 دروازے کی جانب جارہا تھا۔ جب لینڈ لائن پر تکل ہوئی۔
 دروازے کی جانب بڑھتے قدم فون سینڈ کی طرف آ گئے۔
 ”اسلام علیکم؟“

”جی آپ کون۔۔۔؟“

”او کے ہولڈ کریں۔۔۔“

فون ہولڈ رکھ کر باہر کو نکلتے ہوئے اسکو مطلع کر گیا۔

”پری تمہارا فون ہے سن لو۔۔۔“

وہ یہ بھی نہ بڑھ چھ سکی کس کا۔ کیونکہ وہ دروازہ عبور کر گیا تھا۔

اماں کے پاس احد کو داکر میں ڈال کر خود فون سینڈ پر یہ سوچتی ہوئی آئی کہ کس کی کال ہو سکتی ہے۔ شاید فاطمہ چچی۔۔۔ مگر فون پر جو آواز سنائی دی۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کبھی سننے کو ملے گی۔ اس آواز سے اسکو نفرت نہیں تھی۔

دوسری طرف بولے جانے والے ہر جملے کے ساتھ عافیہ کے چہرے کا رنگ ڈھلے لٹھے کی مانند سفید ہوتا جارہا تھا۔ پندرہ منٹ کی کال نے اسکو پندرہ سالوں کی مسافت کے برابر تھکا دیا۔ اور حیرت انگیز طور پر اسکی اپنی

زبان بولنے سے انکاری ہو گئی۔ جب رسیور واپس کریڈل پر ڈالا تو وہ باقاعدہ ہانپ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا۔ کھڑی کھڑی گر جائے گی۔

☆.....☆.....☆

وہ گھر سے دور کافی فاصلے پر آ گیا تھا۔ مگر دماغ میں مسلسل ایک ہی نام گردش کئے جا رہا تھا۔ جب دماغ الجھنے لگا تو اس نے گاڑی سائیڈ پر روکی اور امتیاز کا نمبر ملا دیا۔

وہ اسلام گھر والوں کے حال احوال کے بعد اس نے اصل سوال پوچھا۔۔

”امتیاز مجھے پوچھنا یہ تھا۔ کہ عافیہ کے چھوٹے بھائی کا نام عدیل ہے یا کہ بڑے والے کا۔۔“

”او نہیں یار۔۔ عافیہ کے چھوٹے بھائی کا نام کامران ہے اور بڑے کا نام وقاص ہے۔ عدیل اس نامراد کا نام ہے جو اسکے بھائی کا سالہا ہے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو۔۔“

ضارب بے یقینی کے سمندر سے ابھرتے ہوئے فوراً بہانہ بنانے لگا اور چند ایک ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

اسکے کانوں میں ایک دفعہ پھر پر اعتماد آواز گونجی۔۔

”میں عدیل بول رہا ہوں۔ عافیہ سے بات کروادیں۔“

سارا دن آفس میں اسے انتظار رہا کہ وہ خود سے کال کر کے اسکو بتائے گی۔ مگر عافیہ کی جانب مکمل خاموشی رہی۔ وہ وعدے کے مطابق پورے وقت سے گھر آیا اور اس پر نظر پڑتے ہی چونک گیا۔ وہی صبح والا حلیہ بکھرے ہوئے بال، آنکھوں میں نظر آتا اجنبی اور سرد تاثر۔ اس نے کن اکھیوں سے اسکا بھرپور جائزہ لیا۔ ٹارٹل روزمرہ کے انداز میں بولا۔

”جلدی سے تیار ہو جاؤ اور مصطفیٰ کو بلاؤ ڈاکٹر کا وقت نہ نکل جائے۔۔“

وہ جیسے کسی خیال سے چونکی۔

”ہاں۔۔ میں جا کر کیا کرونگی۔ آپ بس مصطفیٰ کو لے جائیں۔۔۔ وہ تیار ہی ہے میں اسے لاتی

ہوں۔۔“

اب ڈاکٹر کے پاس نہ جانا کوئی اتنی بڑی وجہ نہیں تھی۔ جسکو لیکر وہ کوئی سوال و جواب شروع کرتا۔ اسلئے مصطفیٰ کو ساتھ لیا اور چلا گیا۔ رات کے کھانے تک اسکی دماغی غیر حاضری ضارب کے علاوہ اماں نے بھی نوٹ کی۔ بعد میں جب وہ دودھ دینے حسب معمول انکے کمرے میں آئی۔ انہوں نے پوچھ لیا۔

”پری چندہ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”بکھی ہوئی آنکھوں سے بولی۔“ ہاں اماں بھلا مجھے کیا ہونا ہے۔ اتنی سخت جان ہوں۔ موت بھی تو نہیں آتی۔“

سفینہ کا دل ہول گیا۔ ”اللہ نہ کرے تمہیں گرم ہوا بھی بخو کر گورے۔ کیا ضارب نے کچھ دل دکھانے والی بات کی؟۔“

اس نے فٹ نفی کی۔ ”ارے نہیں اماں انکی باتوں سے تو دل لگتا ہے۔ دکھتا نہیں۔ خیر میں احد کو دیکھوں ابھی سویا نہیں تھا۔ ضارب کو تنگ کر رہا ہوگا۔ آپ کی لائٹ بند کر دوں؟۔“

”ہاں چندہ کر دو۔“

اپنے کمرے میں آئی۔ ضارب حسب معمول لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ اور احد پوری کوشش کے ساتھ باپ کے لئے ضروری ای میلز ٹائپ کرنا چاہ رہا تھا۔ یہ الگ بات کے باپ نے اسکو اپنے کندھوں پر بیٹھا کر لیپ ٹاپ اسکی پہنچ سے دور کر دیا ہوا تھا۔

عافیہ کی نظر احد پر پڑی تو بے اختیار ہنسی نکل گئی۔ یہ۔ آج گورے دن کی پہلی ہنسی تھی۔

”آپ نے کیسے میرے بچے کو چھو باندھری کی طرح اوپر بٹھایا ہے۔“

”یہ ہے ہی چھو بندر۔۔۔“

احد کو وہاں سے اٹھاتے ہوئے فوراً بولی۔ ”نہیں جی یہ تو شہزادہ ہے۔ میرا شہزادہ۔ میرا دلبر جانی۔۔۔“

ساتھ احد کو گدگدی کی جو ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے ہنستا چلا گیا۔

”کیا میں لائٹ بند کر دوں۔ احد جلتی ہوئی روشنی میں نہیں سوئے گا۔“

ضارب نے اسکی آنکھوں اک پل کو کھوجا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ لائٹ آف کر کے احد کو لیکر لیٹ گئی۔

اور وہ بظاہر لیپ ٹاپ پر کام میں مصروف پس منظر میں اسی سے مخاطب تھا۔

”تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتی ہو۔ اس آدمی کی کال میرے گھر پر کیوں آئی۔ اس نے ایسا کیا کہا ہے کہ تم آج اپنے آپ میں نہیں ہو۔ بول دو اس سے پہلے کہ تمہاری خاموش آگ بن کر سب کچھ جلا دے۔ میں جتنا بھی انکار کر لوں۔ ہوں تو میں ایک عام سا مرد ہی۔ تو ایسے خاموشی اڑھ کر کیوں میرا امتحان لے رہی ہو۔ حالانکہ تمہیں پہلی فرصت میں سب شیئر کرنا چاہیے تھا۔ کیا آج سے پہلے بھی وہ تمہیں کال کر چکا ہے؟۔۔“

”اندازہ کرو ذرا میرے دماغ میں کیا کیا پوائنٹ آرہے ہیں۔ اب پہلے والی بات نہیں رہی ہے۔ تم اب صرف میری زندگی میں نہیں ہو۔ اگر صرف بیوی ہو تیں تو میں غصے میں سب کچھ پوچھ لیتا ڈانٹ دیتا۔ یا رول کی مکین بنی ہو۔ محبوب سے چاہ کر بھی ایسی باز پرس نہیں کی جاتی۔ یہ محبت کی توہین ہے۔ دیکھو جہاں بستے ہیں۔ وہاں یوں ایسی تباہی تو نہیں مچاتے۔ جیسے تباہی تم۔ اس وقت خاموش رہ کر میرے دل میں مچا رہی ہو۔“

تنگ آکر اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے نیچے فرش پر رکھی۔ خود آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ یہ الگ بات کہ نیند نہ اسکو جلدی آئی۔ نہ اسکے تھوڑے فاصلے پر پڑی سوتی بنی عافیہ کو۔ جو تصور میں اسی سے مخاطب تھی۔

”آج میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کافی پیو گے یا دودھ اور تم نے خود سے بھی فرمائش نہیں کی۔ کاش کہ کر دیتے۔۔۔ میں تمہاری کھوجتی ہوئی نظروں سے لاعلم نہیں ہوں۔ تم جانتے نہیں ہو۔ ہر دفعہ تمہارا یوں مجھے دیکھنا میری روح کو کند خھری سے ذبح کر رہا ہے۔ کیا میری اوقات اتنی سی ہے کہ ایک فون کال نے مجھے تمہاری نظروں میں مشکوک کر دیا۔ اور اگر تمہیں یہ علم ہو جائے۔ فون کرنے والا کون تھا۔ اور اس نے کیا کہا۔ تو ضارب مجھے ڈر ہے کہیں میں تمہیں کھو نہ دوں۔ یہ جنگ میری ہے۔ مگر میں یہ جنگ تمہاری پشت پناہی کے بغیر نہیں جیت سکتی ہوں۔ اس وقت مجھے تمہاری مضبوطی چاہیے سوالیہ نظریں نہیں۔“

ضارب نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو وہ ضارب کی جانب رخ کر کے اسکی پشت سے لگ گئی۔ کچھ پل بعد ضارب نے اسکا ہاتھ اپنے دل پر رکھا۔ اور سو گیا۔

☆.....☆.....☆

دو دن بعد وہ آفس میں مصروف تھا۔ جب اسکے موبائل فون پر انجینی نمبر سے کال موصول ہوئی۔
"اسلام وعلیکم۔۔۔؟؟"

"ہیلو جی ضارب سیال۔۔۔؟؟"

وہ آواز سے چونکا تھا۔ "ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔۔۔" جی بول رہا ہوں۔ فرمائے۔۔۔"
"جناب ہم نے کیا فرمانا ہے۔ بس ایک ادنیٰ سی عرض کرنی تھی۔"

ضارب نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پی اے کو وہاں سے جانے کا کہا۔ جو جاتے ہوئے دروازہ بھی بند کر گیا۔

"پہلے اگر تم بتا دو کہ بول کون رہے ہو۔ تو آسانی رہے گی۔"

"میرا تعارف شاید آپ کو پسند نہ آئے ضارب صاحب۔ مگر جناب گزارش مجھ یوں ہے۔ کہ لڑائی جھگڑے ہر گھر میں ہو جاتے ہیں۔ وقتی دوریاں بھی آ جاتی ہیں۔ مگر اسکا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ کوئی باہر کا آدمی اپنا فائدہ دیکھتے ہوئے۔ آپ کا مال اٹھا کر اپنے گھر لے جائے۔ جو کہ آپ نے میرے اور عافیہ کے ساتھ کیا ہے۔ عافیہ اور میری شادی ایک اربنچ میریج نہیں تھی۔ بلکہ ہماری محبت اور باہمی چاہت سے وقوع پذیر ہوئی تھی۔ اور آپ نے سنا تو ہو گا ہی کہ عورت اپنی پہلی محبت کبھی نہیں بھولتی۔ وہ تو میں وقتی طور پر پاگل ہو گیا تھا۔ جلد بازی میں اپنی عافیہ کو طلاق دے بیٹھا۔ اوپر سے میری بہن نے اسکے ساتھ زیادتی کی گھر سے نکال دیا۔ اب آپ خود سوچیں وہ اپنے دل پر پتھر رکھ کر آپ سے شادی نہ کرتی تو اور کیا کرتی۔؟؟۔۔۔"

ضبط کی حد آزمائی جا رہی تھی۔ جسم کا سارا خون جیسے چہرے پر جمع ہو گیا تھا۔ کان کی لومیں لال ہوئی ہو گئیں۔ سارے جسم سے جیسے آگ نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ مگر وہ جبرے آپس میں سختی سے جکڑے خاموشی سے سنتا گیا۔ تاکہ کہنے والے کو یہ نہ لگے کہ سن بھی نہ سکا۔

"مگر اللہ کے ہر کام میں بہتری ہوتی ہے۔ آپ سے شادی ہونے کے بعد حلالے کا کاٹنا بھی سیٹ ہو گیا۔ سارا مضمون میں نے آپ کو بتا دیا ہے ضارب صاحب اب آگے آپ سیانے ہیں۔ جس عورت کے دل میں اپنے شوہر کی بجائے پرانا یار بستا ہو۔ وہ وفادار بیوی کیسے ہو سکتی ہے۔ اور سچی بات پوچھیں تو یہ کسی بھی مرد کی

بڑے اعلیٰ درجے کی توہین ہے۔"

"اللہ حافظ۔۔"

ضارب کے ہاتھ میں موجود پینسل کب کی دو ٹکڑے ہو گئی تھی۔ اتنا غصہ ساری زندگی کسی پر نہ آیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا جا کر اس آدمی کی زبان گدی سے کھینچ لائے۔ مگر نہیں اگلے کا گریبان تب تھا ما جاتا ہے۔ جب اپنے گھر والوں کا موقف معلوم ہو۔۔ اور اس طرف پوری خاموشی تھی۔
درد کی لہر سارے وجود کو خاکستر کر گئی تھی۔

اس نے اپنا فون آف کر دیا۔ آفس سے تو وقت ختم ہونے پر نکل آیا تھا۔ مگر گھر نہیں جا سکا۔

☆.....☆.....☆

سفینہ کو یہ تسلی دے دی کہ اس کے ساتھ بات ہوئی ہے۔ اور کہہ رہا تھا۔ آج لیٹ گھر آئے گا۔ وہ مطمئن سو گئیں۔ بچے بھی کب کے سو گئے تھے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے تین کا وقت تھا۔ کمرے سے ہال اور ہال سے کمرے کے چکر کاٹ کاٹ کر ناٹکیں اکڑ گئیں تھیں۔
فون اس کا مسلسل آف جا رہا تھا۔ عافیہ کے دل میں رہ رہ کر ہول اٹھ رہے تھے۔ اس وقت نہ اسے کوئی ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ نہ ہی کوئی خوف ہال کا دروازہ کھول کر باہر گیراج میں ڈرائنگ روم کی سیڑھیوں پر بیٹھی زیر لب دعائیں مانگ رہی تھی۔

پونے چار گھنٹے پر ہارن ہوا۔ چوکیدار نے اسی وقت گیٹ کھولا۔ جب وہ گاڑی پورچ میں لایا ہیڈ لائٹس کی روشنی سیدھی عافیہ پر پڑی۔

گھورتی ہوئی نظروں سے اس کا جائزہ لینے کے بعد انجن بند کرنا گاڑی سے نکل آیا۔
اور اس کی طرف دیکھے یا اسکے قریب کے بغیر اندر چلا گیا۔

عافیہ کو اس کی اس حرکت پر غصہ تو بڑا آیا۔ مگر ضبط کرتی اندر آئی۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں گیا تھا۔ عافیہ کچن میں دیکھنے آئی جہاں وہ نہیں تھا۔ جبکہ ڈرائنگ روم کے نیچے سے روشنی باہر آرہی تھی۔ وہ تھینا وہاں تھا۔ مگر کیوں؟
ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو معلوم ہوا دروازہ اندر سے لاک کیا جا چکا ہے۔ غصے سے وہ پاگل ہی ہو گئی۔ جا کر کچن

"Papæreyouevenlistening??"

مہمان کا سن کر ذہن میں جھماکا ہوا۔ فوری طور پر اٹھا۔ آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔
سامنے مصطفیٰ گھوری لئے نظر آیا۔

"you know w h a father??"

You are getting highly are lately

"میں کب سے دروازہ پیٹ رہا ہوں۔ میری آدمی چھٹی ادھر برباد ہو گئی ہے۔"

اس نے جھائی لیتے ہوئے چہرے اور بالوں پر ہاتھ چلایا۔

"مصطفیٰ بہت بولتے ہو یا ر۔ کال کس کی تھی؟۔"

"آپ کے دوست انکل عمران کی۔ کہہ رہے تھے۔ ساڑھے بارہ کی فلا میٹ ہے۔"

وہ ڈرائینگ روم سے نکل آیا۔ ساتھ آئے مصطفیٰ سے پوچھا۔

"ابھی کیا ٹائم ہے۔؟"

مصطفیٰ نے اک ادا سے اپنے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی اور بولا۔

"Sirjeeitsquartepasstwelvè.

اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے ضارب نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

"سو بارہ ہو گئے ہیں۔ تم مجھے پہلے نہیں اٹھا سکتے تھے۔"

الماری میں سے دھلے کپڑے نکالنے لگا۔ مصطفیٰ نے گلا کھنکارا اور یاد کروایا۔

"Excuse me Father but i did try my best

"دو گھنٹے بعد آپکو جگانے میں کامیاب ہوا ہوں۔"

ہاتھ کا دروازہ بند کرنے سے پہلے سرسری سا پوچھا۔

"تمہاری ماں کدھر ہے۔؟۔"

"پری۔؟۔"

"ہاں یا راور کون۔۔"

"وہ کہیں گئی ہوئیں ہیں۔"

دروازہ بند کرتے ضارب کے ہاتھ تھم گئے۔

"کدھر گئی ہے؟"

مصطفیٰ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بس اتنا کہا۔

"Absolutely idea"

"بس اتنا کہہ کر گئیں کہ ضروری کام سے جارہی ہوں۔ شام سے پہلے آ جاؤں گی۔"

ضارب کے ماتھے پر سلوٹوں کا جال بکھر گیا۔ "کیا ڈرائیور کے ساتھ گئی ہے۔؟"

مصطفیٰ نے ایک دفعہ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"دادو نے کہا ڈرائیور کے ساتھ جاؤ پر پری نے کہا کہ وہ بس سے جانا پسند کریں گی۔"

ضارب کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

What the hell!

ایسا کہاں جانا پڑ گیا۔ احد ساتھ گیا ہے؟"

مصطفیٰ نے پھر نفی کا عمل دہرایا۔

"احد کو کام والی ماسی کی بیٹی دیکھ رہی ہے۔"

"کب گئی تھی۔؟؟"

"She left around about half ten"

ضارب واش روم سے باہر نکل آیا۔ لینڈ لائن سے نمبر ڈائل کیا۔

"اسلام علیکم عمران۔۔"

"ہاں یا رابھی گھر پر ہی ہوں۔ اور تمہارے ذمہ ایک کام لگانا ہے۔ ایک ایرجنسی ہوگئی۔ اچانک کام نکل آیا

ہے۔ اسلیے مہربانی کرو اودا ایرپورٹ کے لئے تم نکلو۔ اس کو گھر پر ہی لے آنا اماں ادھر ہی ہیں۔ وہ دیکھ لیں گی۔

میں کوشش کروں گا جلد واپسی کی۔ ابھی جلدی میں ہوں۔ خدا حافظ۔"

واپس واش روم میں گیا۔ اگلے دس منٹ میں تیار ہو کر اماں سے سوال و جواب کر رہا تھا۔

"ایسی کیا ایمر جنسی آگئی تھی۔ جو یوں منہ اٹھا کر نکل گئی ہے۔ آپ کو تو یقیناً بتا کر گئی ہوگی کدھر جا رہی ہے۔؟"

"ہاں ظاہری بات ہے۔ مجھے بتا کر میری اجازت سے گئی ہے۔"

"گئی کہاں ہے۔؟"

"شیخوپورہ اپنے بھائی کے گھر۔"

وہ ماں کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔ "بھائی کے گھر یا بھائی کے سالے کے گھر۔"

سفینہ نے بیٹے کو خطرناک گھوری سے نوازا۔ "اسی طرح کی بکواس کر کے تم نے اسے زلایا ہے۔"

ماں کا سوال گول کرتے ہوئے بولا۔ "اماں آج تک اکیلی وہ یہاں قریبی مارکیٹ تک نہیں گئی۔ آپ نے اسکو اکیلے شیخوپورہ جانے دیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہوگا کہ بسوں کا اڈہ کدھر ہے۔"

سفینہ نے ہاتھ سی مکھی اڑائی۔

"تو اور کیا کرتی بس روئے جا رہی تھی کہ جائے بغیر کام نہیں چلتا۔ میں نے کہا چلی جاؤ۔ شیخوپورہ کونسا

دوسرے سیارے پر ہے۔ اور فکر کی کوئی بات نہیں میں نے جیراں کو اسکے ساتھ ہی بھیجا ہے۔"

"پر اماں میرا پوائنٹ یہ ہے۔ میں گھر پہ موجود تھا۔ مرا نہیں ہوں۔ جو وہ یوں اکیلی نکل گئی۔ میرا ساتھ جانا گوارہ نہیں تھا۔ تو ڈرائیور کو لے جاتی۔"

"چلو اب نچوڑ اس بات کو شام تک آجائے گی۔ تم جاؤ کچن میں ناشتہ وغیرہ کرلو۔ رات پری نے کہا کہ

فون کر چکے ہو لیٹ آؤ گے۔ پھر کس وقت آئے تھے؟؟۔"

وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کافی لیٹ آیا تھا۔ ابھی میں چلتا ہوں۔ عمران کے ساتھ ایک مہمان آرہا ہے۔ اسکا

خیال کیجئے گا۔ میں جلد آ جاؤں گا۔ مصطفیٰ یا رآؤ دروازہ لاک کرلو۔"

گاڑی سیدھی شیخوپورہ کو بھگائی۔

جس وقت اس نے عافیہ کے آبائی گھر کے سامنے گاڑی کا انجن بند کیا۔ پونے دو بج رہے تھے۔
گیٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ گھنٹی بجائے بغیر دبے پاؤں اندر آ گیا۔

سامنے ہی سنا سا چہرہ نظر آیا۔ جیراں ایک چارپائی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اسکے سامنے پڑی مچھوٹی میز پر کھانے پینے کی کئی چیزیں رکھی تھیں۔

یعنی ان لوگوں کو پہنچے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

جیراں اسکو دیکھ کر کھڑی ہونے لگی تھی۔ جسے اُس نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

”بیٹھی رہو۔۔ بی بی کدھر ہے؟“

جیراں نے ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کیا۔

”وہ جی اس طرف انکا شائد انکا ڈرائیونگ روم ہے۔ ادھر ہی ہیں۔“

وہ سر ہلاتا اس طرف آ گیا۔

مکان کے دو حصے تھے ایک پہلے پھر درمیان میں صحن اور اسکے آگے پھر عمارت اور اسی طرف تھوڑا آگے جانے پر عافیہ کی آواز صاف سنائی دی۔ ضارب کے قدم کسی ان دیکھی طاقت نے روک دیئے۔۔

”بھابھی میں نے آپ سے کہا بھی تھا مجھے چائے کھانے کی کوئی طلب نہیں ہے۔ میں گھر سے کھاپی کر روانہ ہوئی تھی۔۔“

وہ شائد اسکی بھابھی تھی۔ جو خوشامدی انداز میں بولی۔

”لو بھلا اتنا لمبا سفر ہے۔ اور آئی بھی تم کا نسا اپنی سواری پر ہو۔ بسوں میں تو اتنے جھٹکے لگتے ہیں۔ دو منٹ میں کھایا پیا ہضم ہو جائے۔“

عافیہ نے غور سے اُس مکار عورت کا چہرہ دیکھا۔

”فکر مند نہ ہوں بھابھی میں نے آپ کی ماتحتی میں اتنے فاقے کاٹے ہیں۔ ابھی تو چند گھنٹے ہوئے ہیں۔

میں تو دو تین دن بھی نہ کھاؤں تو نہیں مرتی۔ آپ پلیز یہاں سے یہ سب اٹھالیں۔“

بھابھی نے ایک نظر اپنے شوہر اور بھائی کو دیکھا۔ اور پینتر ابدلا۔

"دیکھو عافیہ ماضی میں جو ہوا۔ تم بھی بھلا دو۔ دیکھو اب آہی گئی ہو تو پرانے شکوے ڈھرانے سے کیا حاصل۔ مجھے عدیل نے بتایا کہ تم آرہی ہو۔ یقین مانوں کانوں پر یقین نہیں آیا۔"

"پر آپ مجھے پورا یقین تھا۔ عافیہ بھلا مجھے کیسے بھول سکتی ہے۔ اتنا عرصہ ہم نے یک جان ہو کر گزارا ہے۔ دیکھا آپ نے میری ایک فون کال پر کھینچی چلی آئی۔ میں نے اس آدمی کو بھی بتا دیا تھا۔ کیا نام ہے اسکا۔۔۔"

عافیہ نے اسکی بات کاٹ دی۔ ٹھہرا ہوئے لہجے کے ساتھ مضبوط کڑک دار آواز میں بولی۔

"میں بتاتی ہوں اس آدمی کا کیا نام ہے۔ عدیل احمد۔ اسکا نام ضارب سیال ہے۔ اور دیکھو ایک نظر غور سے میری طرف دیکھ کر بتاؤ مجھے کیا تمہیں میرے اندر وہ عورت نظر آرہی ہے۔ جس نے تمہاری حکومت میں سات سال تک قید بانسٹھت کاٹی تھی۔۔۔؟"

"غور سے دیکھو عدیل احمد تاکہ تمہیں نظر آسکے کہ تمہارے سامنے وقاص کمال کی ڈری سہی سی بہن نہیں کھڑی ہے۔ جو ایک چھت اور دو وقت کی روٹی کی خاطر تمہاری ہر بکو اس نے گی۔ تمہارا ہر حکم بجالائے گی۔ نہیں۔۔۔!!۔۔۔ تم جسے دیکھ اور سن رہے ہونا عدیل احمد یہ عافیہ ضارب ہے۔ اسکے ساتھ پنگامت لینا اس بھول میں کہ تم بہت بڑے غنڈے بد معاش ہو اور ضارب کی بیوی ڈر جائے گی۔ نہیں ایسا کچھ نہیں ہونا۔ وقاص اسکی بیوی اور عدیل تینوں آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے۔

"یہ سب باتیں میں تمہیں فون پر بھی سنا سکتی تھی۔ بلکہ اپنے شوہر کو بتا کر تمہاری اگلی پچھلی خوش فہمیاں جہنم واصل کروا سکتی تھی۔"

"ایک بات تم سے روبرو چھنی تھی۔ تم سے ہی نہیں تمہاری اس بہن سے بھی۔ آپ لوگوں نے مجھے کیا سمجھ کر یوں منہ اٹھا کر میرے گھر فون کیا؟ اور کیا اس سازش میں میرا ماں جایا بھی شامل تھا؟؟۔۔۔"

"میں سات سال اس آدمی کے گھر رہی۔ اور دو سال آپ کے ساتھ اس گھر میں گزارے۔ کیا کبھی آپ لوگوں کے ظلم سے جھگ آ کر رہی میں نے فرار کا راستہ اپنایا؟؟

"کیا کبھی باپ کی بھائی کی یا اس مرد کی عزت کو کوئی داغ لگایا۔۔۔؟"

"کیا تم لوگوں کو کبھی میرے کردار سے شکایت ہوئی؟؟۔۔۔"

”بولوتاں بولتے کیوں نہیں ہو۔؟؟ کیا زبان سچ کا ساتھ نہیں دیتی؟؟“

”میں اگر تم جیسوں سے وفاداری نبھاسکتی ہوں تو سوچ بھی کیسے لیا کہ ضارب جیسے فرشتے کو دھوکا دوں گی۔؟؟ وہ تو اللہ کا انعام کہ اُس نے ضارب کو میرے لیے راحت بنایا ہے۔ مگر اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ وہ اگر تم لوگوں سے بھی بڑھ کر ظالم ثابت ہوتا۔ عافیہ تب بھی اسکے ساتھ بے وفائی کا تصور بھی نہ کرتی۔۔“

اسکی بات پر بھابھی پھنکار تے ہوئے بولی۔

”بس بی بی اونچے خاندان میں چلی گئی ہو آج اسی کا غرور بول رہا ہے۔ پر یاد رکھنا جتنا بھی پیار ڈال لو وہ لڑکے تمہاری اولاد تو نہیں ہیں۔ کل کو جب بڑے ہو کر گھر سے نکالیں گے ناں۔ تب پتا چلے گا۔“

”بھابھی آپ کے کہہ دینے سے وہ میرے غیر تو نہیں بن جائیں گے۔ میرے بیٹے ہی رہیں گے۔ اور جہاں تک رہی گھر سے نکالنے کی بات۔ وہ تو مجھے میرے سکے بھائی نے بھی نکال دیا تھا۔ بیٹے نکال دیں گے تو کیا عجب ہوگا۔۔“

”مجھے ان لوگوں سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ پر بھائی تم سے میرا سوال ضرور ہے۔“

اتنے اعتماد سے بولنے والی کی آواز بھائی سے مخاطب ہوتے ہی بھرا گئی۔

”جب تم ماشا اللہ اپنے بھرے پرے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ بیٹھتے ہو۔ تو کیا کبھی اپنے ماں جابو کا خیال نہیں آیا۔۔؟؟“

”اسی آنگن میں ہم تمہارے ساتھ ہی جوان ہوئے تھے۔ ہم نے تو ماں باپ کے مرنے پر بھی خود کو یتیم نہ سمجھا کیونکہ بڑا بھائی جو موجود تھا۔ پر تم نے ہم دونوں کو ڈھکار کر یتیم کر دیا۔“

”میرا تو آج ایک گھر ہے۔ پیار کرنے والے بچے ہیں۔ جان دار نے والی ماں ہے۔ ساتھ دینے والا شوہر ہے مجھے آج کوئی کمی نہیں۔۔ پر اُس شہزادے کا خیال مجھے رات کو سونے نہیں دیتا جس معصوم کو ماں باپ کے جانے کے بعد سینے سے لگا کر رکھنے کی بجائے اٹھا کر اتنی بڑی اور بے رحم دنیا میں پھینک دیا۔ تمہیں اک لمحے کو خیال نہ آیا ایک سولہ سترہ سال کا بچہ آخر کہاں جائے گا۔“

”اُس نے کس کس مقام پر گر کر تمہیں مدد کے لیے نہ پکارا ہوگا۔؟؟“

"نہ جانے کتنی راتیں بھوکا سویا ہوگا؟ پتا نہیں تن پر پہننے کو لباس بھی ہوگا کہ نہیں۔۔۔ میں کیا کیا فرض کروں؟ میں جتنے مرضی آنسو بہا لوں اسکا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔۔

"نہ جانے وہ زندہ بھی ہے۔۔۔"

ضارب مزید نہ سن سکا۔ آنکھوں کے آگے چھا جانے والی دھند کو آستینوں سے رگڑتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا جن رستوں سے آیا تھا۔ انہیں پر پلٹ گیا۔ صحن میں بیٹھی جیراں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ دیا۔

گیٹ سے دوڑ کے سکول بیگز پکڑے اندر کو جانے لگے تھے۔ ضارب نے انکے ہاتھ اندر پیغام بھیجا۔ اور خود گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

اور دل میں لگا سوچنے کہ میں اس عظیم عورت کا استقبال کیسے کروں۔"

☆.....☆.....☆

بچے نے آکر پیغام دیا۔ پھپھو کو باہر ضارب انکل نکلا رہے ہیں۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی جسم و روح میں سکون کی لہر دوڑ گئی۔ بھائی آگے بڑھا اور نرم آنکھوں سمیت اسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔ مگر وہ رز کے بغیر نکل آئی۔ باہر آئی تو وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ نیوی بیلو کرتے کے ساتھ سفید لٹھے کی شلوار نیوی بیلو ہی اکسفورڈ کی جرسی براؤن جوتے اور سب سے پرکشش اسکی کشادہ پیشانی پر سجے بال۔

اسکو دیکھتے ہی وہ ٹیک ہٹا کر کمر پر ہاتھ باندھ کر حیرت سے اسکو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا۔

کالے اور گولڈن امتزاج کا کام والا جوڑا۔ جس کے سامنے تمام دامن پر موتیوں اور نگوں کا بڑا نفیس کام۔ بنا ہوا تھا۔ اسی کے ہم رنگ دوپٹے کے اوپر پیور کی گرم شال۔ نہوٹی سی ہیل والے گولڈن لیڈر کے کوڑھوڑے۔ دونوں کلائیوں پر سونے کی چوڑیاں کانوں میں ٹاپس لیوں پر بچی لائٹ اور نچ رنگ کی لپ اسٹک جو کہ آدھی وہ کھا چکی تھی۔ بازو پر جوتوں سے میچ بینڈ بیک تھا۔

ضارب نے اسے سر تا پاؤں دیکھا۔

"اتنی بن ٹھن کر پبلک ٹرانسپورٹ سے آئی ہو۔۔۔؟"

"نہیں ہیلی کا پٹر سے لینڈ کیا تھا۔"

ضارب نے گھورتے ہوئے دیکھا۔ "میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔"

"ہاں تو میں کونسا لطفی سنار ہی ہوں۔"

"تم نے آنا تھا تو مجھے بتایا ہوتا میں خود لے آتا۔"

"آپ نے رات کو کیا کہا تھا۔ خود پر حرام نہ کر لوں۔ تو کیوں بتاتی آپکو۔ ویسے بھی یہ میرا معاملہ تھا۔ اور مجھے ہی حل کرنا تھا۔"

ضارب نے مکھی اڑائی۔

"جو کچھ میں نے رات میں کہا۔ اسکا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا۔ کہ تم میرے سے بات ہی نہ کرو۔ ویسے بھی سب تمہاری خاموشی کی وجہ سے ہوا۔ سیدھے سے پہلے ہی بتا دیتیں تو یہ نوبت ہی نہیں آنی تھی۔ اور یہ کیا بولا کہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے۔ مجھے یہ بتاؤ مسئلہ تمہارا ہے۔ تم کس کی ہو؟"

عافیہ نے لب بھینچے آنکھیں گھما کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیمی سی آواز میں بولی۔

"ظاہر ہے آپ کی ہوں۔"

اسکی ادا پر ضارب کا قہقہہ بالکل بے ساختہ تھا۔

"احد والی حرکتیں کر رہی ہو۔ اگر تم میری ہو تو تمہارے مسائل بھی تو میرے ہی ہوئے ناں اسلیے آئندہ چاہے جتنی مرضی سیریس لڑائی کیوں نہ ہو جائے۔ جانا کہیں بھی ہو۔ مجھے بتاؤ۔ نوکر ہوں تمہارا جہاں کہو گی لے جاؤں گا۔"

عافیہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "اب مجھے اتنے بھی سبز باغ نہ دکھائیں۔ کتنا عجیب لگ رہا ہے سوچ کر

ہی۔ ضارب سیال بیوی کا نوکراف۔۔۔"

"آئی نوپر کیا کیا جاسکتا ہے زندگی کی مجبوریاں۔۔۔ چلو گاڑی میں بیٹھو۔ آج تمہیں سر پرانہ دینے کا دن ہے

عافیہ نے دو تین سیکنڈ اسکی نظروں میں سوالیہ انداز میں دیکھا۔ تب ہی گیٹ کھول کر عدیل باہر آیا۔ سیدھی

نظر ان میاں بیوی پر گئی۔

ضارب نے آگے بڑھ کر عافیہ کے لیے اگلا دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھ گئی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے سرد نظروں سے عدیل کو دیکھا۔ آنکھوں سے ہی وہ وارننگ چلی گئی تھی۔ جو وہ الفاظ کی مدد سے دیتا۔ ویسے بھی اسکی بیوی نے کسر ہی نہیں چھوڑی تھی۔

اپنی طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھنے تک وہ مسلسل عدیل کو ہی دیکھتا رہا۔

رستے میں وہ دس پندرہ منٹ فاطمہ کی طرف رُکے۔ وہ ناراض ہو رہی تھیں۔ مگر ضارب دوبارہ جلد آنے کا وعدہ کرتا اسکو لیکر وہاں سے نکل آیا۔

سارا رستہ اماں جہراں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے کوئی خاص بات نہ ہو سکی۔ نہ ہی وہ سر پرانز کے بارے میں پوچھ سکی۔ شام کے سائے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ جس وقت ضارب نے گاڑی گیراج میں روکی وہی وقت تھا۔ پرندے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔

وہ ابھی باہر نکل رہی تھی۔ جب مصطفیٰ دوڑتا ہوا اندر سے آیا۔

”ممی گکس واٹ۔۔۔؟“

عافیہ نے اسکے جوش سے سرخ ہوتے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں بھر کر پیشانی چوم لی۔ آج اُس نے پہلی دفعہ عافیہ کو مٹی بولا تھا۔

”کیا ہوا میری جان۔۔۔؟“

”ہمارے گھر ایک مہمان آئیں ہیں۔ انہوں نے میرے ساتھ مل کر بیڈ منشن کھیلا۔ میں نے انکو ایک دفعہ بھی نہیں ہرایا۔ انہوں نے مجھے پورے دس دفعہ ہرا دیا۔ مارکیٹ سے آئس کریم دلوائی احد بھی ہمارے ساتھ گیا تھا۔ وہ میرے لیے بیڈ ہیر سارے چاکلیٹ لاتے اگر انکو پپا نے بتایا ہوتا کہ آپ کے بچے بھی ہیں۔“

عافیہ کو حیرت بھی ہوئی اور ہنسی بھی آئی۔ مگر ضارب کی طرف دیکھا۔ جو نمسکراتے ہوئے اندر کو ہی بڑھ رہا تھا۔ ”کیا آپ کے کوئی دوست آئے ہوئے ہیں؟۔۔۔“

”آؤ دیکھ لیتے ہیں۔“

اماں کے کمرے سے باتوں کی آواز آرہی تھی۔ ضارب نامحسوس انداز میں پیچھے ہو گیا اور اُسکو آگے جانے

دیا۔ کمرے کے دروازے پر تھی۔ جب مردانہ ہنسی کے ساتھ ساتھ احد کی کلکاریاں سنائیں دیں۔ اور پھر وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی بالکل ساکت۔۔

اماں کے کمرے کے عین وسط میں کھڑا وہ خوبصورت چہرے مہرے والا نوجوان احد کو ہوا میں اُچھالتے ہوئے ہنس بول رہا تھا۔

” غور سے دیکھ شہزادے میں تیرا ماموں ہوں۔“

وہ کامران تھا۔ عافیہ کا چھوٹا بھائی۔ جسکو جب اُس نے آخری دفعہ دیکھا تھا۔ کمزور پتلا لمبا سا ٹینا بھر تھا۔ اور جسکو اس وقت دیکھ رہی تھی۔ وہ صحت مند اور مضبوط خد و خال والا بھرپور جوان مرد تھا۔ جسکو وہ چھ سال بعد اپنے مقابل دیکھ رہی تھی۔

وہ جہاں تھی۔ وہاں سے مل نہ پائی۔ آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

کامران نے اسکو دیکھا تو آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی۔

اسی طرح احد کو گود میں لئے اسکے قریب آیا۔ اور بہن کو بانہوں میں بھر لیا۔ جب وہ رؤ رؤ کر دل کا غبار نکالنے سے باز نہ آئی۔ تو کامران نے ہی اُسے متوجہ کیا۔

” عافو دیکھو تو تمہارا بیٹا مجھے باقاعدہ طور پر گھور رہا ہے۔ میں نے انکو سارا دن پٹا کر دوستی کی ہے۔ تم یہ سب کر کے مجھے واپس ڈینجر زون میں پھینک رہی ہو۔“

وہ نم آنکھوں سمیت مسکرا دی۔

زندگی مسکرا دی۔

اس نے مزے دار سا ڈنر بڑے شوق اور چاؤ سے تیار کیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ باتیں قہقہے لطیفے قصے سب کچھ ساتھ چلتا رہا۔ کامران سفینہ کو ہر اُس ملک کی کہانی سناتا رہا تھا۔ جہاں جہاں وہ ہوتا ہوا اپنی اصل منزل تک پہنچا۔ اور سفینہ پوری دلچسپی سے سنتے ہوئے اسکو کئی سوال کر رہی تھیں۔ وہ ہر سوال کا جواب بڑی سعادت مندی سے دے رہا تھا۔

کامران کا بستر اُس نے گیٹ روم میں لگا دیا۔ سونے سے پہلے کافی دیر تک بیٹھ کر اسکے بالوں میں

انگلیاں پھیرتے ہوئے۔ باتیں کرتی رہی۔ جب کامران کی آنکھیں نیند سے بند ہونے لگیں۔ وہ اس پر بستر سیدھا کر کے پیشانی چومتی ہوئی لائٹ و دروازہ کرتی وہاں سے نکل آئی۔

پہلے مصطفیٰ اور احد کو انکے کمرے میں دیکھ کر پیار کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آئی۔ رات کے تین بجے کا وقت تھا۔ کمرے کی لائٹ ڈم تھی۔ لیپ ٹاپ کھلا ضارب کی گود میں پڑا تھا۔ اور وہ خود سر ایک طرف کو کئے ادگھر رہا تھا۔

اس نے پیار بھری نظروں سے ضارب کو دیکھا۔ جی چاہ رہا تھا اسکے پیر چوم کر شکر یہ بولے۔ آج اس آدمی نے میری دنیا مکمل کر دی۔ غم آنکھوں سمیت قریب آئی۔ لیپ ٹاپ اٹھا کر بند کرنے کے بعد سائیڈ پر ڈالا۔ اس کے موزے اتار رہی تھی۔ جب اس نے نیم واہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔
"کامران سو گیا۔؟" ضارب کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔
"ہاں"

اب وہ اس کا دوسرا موزہ اتار رہی تھی۔ جب وہ اسی شمار بھری آواز میں بولا۔
"تم خوش ہو؟۔۔"
عافیہ نے گردن موڑ کر اس کو دیکھا۔ جو سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ چلتی ہوئی آکر اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔ پہلے اپنے دونوں ہاتھ ضارب کے سینے پر رکھے پھر ہاتھوں پر اپنا چہرہ ٹکا کر براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

ایک انگلی بڑھا کر ضارب کی ناک کو منجھا۔ پھر ہونٹوں کی شیب پر انگلی سے لائن کھینچی۔
"اگر میں کہوں کہ مجھے آپ پر بالکل ایسے ہی پیار آ رہا ہے۔ جیسے ماں کو اپنے بچے پر آتا ہے۔ میرا جی چاہ رہا ہے۔ آپ احد ہوتے تو میں آپ کو پیار سے اپنی گود میں بھر کر پیار کرتی۔ آپ کا منہ چومتی۔ گال چومتی۔ ہاتھ پیر چومتی۔ آپ کو زور سے سینے میں بھینچ لیتی۔"

ضارب کے گھنی مونچوں تلے چھپے لب دلکشی سے مسکرائے۔ عافیہ کے بالوں کی لٹ کو اس کے کان کے پیچھے اڑساتے ہوئے بولا۔

"تو اس سے میں یہ سمجھوں کہ تم خوش ہو۔"

"آج خوشی بہت چھوٹا لفظ ہے۔ وہ سب بیان کرنے کو جو آپ نے میرے لیے کیا ضارب میں بھلا کیسے آپکا شکر یہ ادا کرونگی۔"

ضارب نے اسے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ "اس کی ضرورت نہیں ہے پری۔"

عافیہ کی آنکھ سے ایک قطرہ ٹوٹا جسے ضارب کے پوروں نے سمیٹ لیا۔

"مجھے کامران نے بتایا ہے کہ کیسے آپ نے اسکو ڈھونڈا۔ بڑی مشکل پیش آئی ہوگی ناں؟"

ضارب مکمل سنجیدہ تھا۔

"کیا فرق پڑتا کتنا مشکل ہوتا۔ اس دن تمہیں اسکے لیے روتا دیکھ کر میں نے فیصلہ کیا تھا۔ بس جیسے بھی ہو۔

اسکو لا کر تمہارے سامنے کھڑا کرنا ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے میرا اپنے آپ سے کیا وعدہ پورا کر دیا۔"

وہ حیران ہوئی۔ "کیا آپ نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا۔؟"

"ہاں"

"اسکو ڈھونڈنا اتنا اہم کیوں لگا۔؟"

"پری۔۔"

"you are a very beautiful woman"

وہ اب بھی سرگوشیوں کے انداز میں بول رہا تھا۔

"یہ جو تمہارا دل ہے ناں پری بہت ہی پیارا ہے۔ ہوس سے پاک، خود غرضی سے پاک، نفرت سے

پاک۔۔ جب تم اس گھر میں آئیں تھیں۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت بُرا رویہ رکھا تھا۔ مگر تمہیں کوئی فرق ہی

نہیں پڑا۔ تم نے جیسے مصطفیٰ اور احد کو پیار دیا ہے۔ سچی پوچھو میں تمہارا فین ہو گیا ہوں۔ میں انکا سگا باپ ہوں۔

میرا خون ہیں پر وہ میری طرف ویسے نہیں بھاگتے جیسے تمہاری طرف کھینچتے ہیں۔ یہ صرف محبت کی طاقت ہے۔

بے غرض محبت کی جو تم نے انہیں دی۔ وہ اپنی دادی پر تک تمہیں ترجیح دینے لگے ہیں۔"

"فارحہ کو بچے نہیں چاہیے تھے۔ کوئی اور طاقت تھی۔ جو ان لوگوں کو دنیا میں لے آئی۔ مجھے اب یقین ہو گیا

ہے کہ اللہ نے انکو دنیا میں تمہارے لیے ہی بھیجا۔"

"تو پیاری پری جب تم نے میرے گھر کے لیے اتنا مجھ کیا۔ اماں کا جیسے خیال کیا۔ میں تمہارا قرض دار ہو گیا تھا۔ تمہارے بھائی کو ڈھونڈ کر میں نے وہی قرض اتارنے کی کوشش کی ہے۔"

عافیہ اسکے سینے پر سر رکھے۔ کتنی دیر چپ چاپ لیٹی اسکے دل کی مضبوط و توانا حرکت سنتی رہی۔ پھر یک دم سر اٹھا کر بولی۔ "سونے سے پہلے میں ایک اور پوائنٹ کلیئر کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"وہ جو کل آپ نے کہا کہ کمرے سے چلی جاؤ ورنہ خود پر حرام کر لوں گا۔ وہ کیا تھا؟"

ضارب بے اختیار ہنستا چلا گیا۔ "یار وہ غصہ تھا۔"

"You haveno idea howangry wasI was on a point whereI could have done anything."

"میرے الفاظ تمہیں یاد ہیں پر وہ یاد نہیں جو تم نے میرے ساتھ کیا۔"

"میں نے کیا کیا تھا؟"

"Howcanyouforget?"

"پری جی آپ نے مجھے تھپڑ دے مارا تھا۔"

عافیہ نے پھر سے دو پہر والے انداز میں آنکھیں ٹکھمائیں اور دھیرے سے بولی۔

"شکر کریں میرے پاس بندوق نہیں تھی۔ ورنہ گولی ہی مارتی۔"

ضارب نے ہنستے ہوئے اسکے گرد اپنے بازو کا گھیر اپنا کرا اسکے بالوں پر بوسہ لیا۔

زندگی نے دور سے ہی کھڑی ہو کر دونوں کو دیکھا۔ اور مسکراتی ہوئی دو وفا کرنے والے لوگوں کی خوشیوں کے ابدی ہونے کی اذکار کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

